دُنیا کے



شاہکار افسانے

ساتواں حصّہ

چینی اور جاپانی افسانے

چینی اور جاپانی مختصر قصوں کا
بہترین مجموعہ

دنیا کے

شاہکار افسانے

ساتواں حصّہ

چینی اور جاپانی افسانے

(مرتبہ)

عبدالقادر سروری

معاونین

محمد افتخار الدین و میر خواجہ معین الدین

(ناشر)

انجمن امداد باہمی مکتبۂ ابراہیمیہ محدود

(سنہ ۱۹۳۰ء) (سنہ ۱۳۳۹ف)

تعداد (۵۰۰) مطبع مکتبہ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن قیمت (۹/)

دنیا کے

شاہکار افسانے

۱۴ حصوں میں

بہ ادارت جناب عبدالقادر صاحب سروری ایم۔ اے۔ ال ال بی

مددگار پروفیسر اردو و فارسی کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔

(۱) قدیم افسانے — شایع ہو کر بے حد مقبول ہو چکا ہے — قیمت عہ/۸

(۲) برطانوی افسانے (زیر طبع) — بہ اعانت جناب محمد محی الدین صاحب

(۳) جرمنی افسانے — " جناب عزیز احمد صاحب

(۴) فرانسیسی افسانے — "

(۵) اطالوی افسانے — " مرزا ناصر علی بیگ صاحب بی۔ اے

(۶) ہسپانی افسانے — " ابوالمکارم فیض محمد صاحب صدیقی بی۔ اے

(۷) چینی اور جاپانی افسانے — " افتخار الدین و خواجہ معین الدین صاحبان

(۸) ولندیزی اور دیگر افسانے — " عزیز احمد صاحب

(۹) روسی افسانے — " " "

(۱۰) پولی و دیگر افسانے — " " محمد محی الدین صاحب

(۱۱) بلجیمی افسانے — " " " و فیض محمد صاحبان

(۱۲) جدید اسلامی افسانے — مدیر

(۱۳) امریکی افسانے (زیر طبع) — " محمد محی الدین صاحب

(۱۴) بہترین اردو افسانے (") — مدیر

انتساب

بہ

استاد مرحوم

پروفیسر سیّد وحید الدّین سلیم پانی پتی

(کلّیہ جامعہ عثمانیہ)

حیدر آباد دکن

فہرست

چینی قصّے

تمہید

جاپانی قصّے

تمہید

دیباچہ

"دنیا کے شاہکار افسانوں" کے سلسلہ کا یہ ساتواں حصّہ ہے جو صرف چین اور جاپان کے بہترین قصّوں پر مشتمل ہے۔ اردو سے مشرق بعید کی ادبیات عالیہ سے باضابطہ طور پر روشناس ہونے کا غالباً یہ پہلا موقع ہے۔ ان زبانوں میں مختصر قصّے خاصے دلچسپ اور بلند پایہ ہیں، ان قصّوں میں جو ندرت ہے، وہ ان ممالک کی ادبیات کے ساتھ مخصوص ہے۔

کوشش کی گئی ہے کہ انتخاب بہترین قصّوں کا ہو۔ یہ قصّے نوعیت میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ پہلے قصّے میں جو رومان ہے بہت کم کہیں دیکھا گیا ہوگا ایک قصّہ اخلاقی ہے (تلوّن مزاج) ایک تاریخی ہے (جان نثار) اور ایک نفسیاتی (وداعی)، آخری قصہ نوعیت میں اپنا آپ نظیر ہے۔

یقین ہے کہ اُن کا مطالعہ دلچسپ اور مفید ثابت ہوگا۔

عبدالقادر سروری

گلباغ حیدرآباد دکن
یکم اگست ۱۹۳۰ء

چینی قصّے

تمہید

چینی ادب قدیم ترین ہے۔ تنوع، اور کثرت کے اعتبار سے دنیا کی بہت کم زبانیں یہ ذخیرہ رکھتی ہیں۔ یہ قدیم ادب زیادہ تر فلسفہ، دینیات، طب، شاعری اور ڈراما پر مشتمل ہے۔ ناول اور مختصر قصوں کا جز اس میں کچھ زیادہ قابل اعتنا نہیں۔ قدیم چینی ان تمام تحریروں کو حقیر سمجھتے تھے، جن کی علت غائی خود وہی ہوں۔

اس عقیدے کے باوجود افسانہ نگاری کا جذبہ کبھی بے کار نہیں رہ سکتا مصنفین نے کم سے کم اپنی تسلی کی خاطر قصے لکھے۔ ان میں قدیم ترین مجموعہ "حیرتناک قصے" ہے اس میں بعض مختصر قصے بھی شامل ہیں۔ یہ کئی مصنفین کی کوششوں کا لب لباب ہے۔ اس کی تدوین پندرھویں صدی عیسوی میں ہوئی۔

ایک دوسرا اہم کارنامہ "عجیب قصے" کا ہے جس کو پوسنگ لنگ نے مدون کیا تھا۔ پوسنگ لنگ نے خود تو قصے نہیں لکھے، لیکن اس نے قصوں کے جو مجموعے شائع کئے تھے، ان کے انتخاب کی خوبی اور اعلیٰ اصلاحی

ذوق کی وجہ سے، وہ بھی غیر فانی ادیبوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

اس قابلِ قدر مصنف کا زمانہ درخشاں سترھویں صدی ہے۔ اسکے بعد سے چینی مختصر قصوں میں زیادہ قابلِ قدر کوششوں کا پتہ کم چلتا ہے۔

سحر طراز

(مصنف نامعلوم۔ تقریباً پندرھویں صدی عیسوی)

"سحر طراز" دنیا کے ان تمام جدید اور قدیم قصوں میں ایک انوکھا قصہ ہے، جن میں عجائبات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس میں اضافیت اس قدر بلیغ ہے کہ، مغربی نقاد بھی اس کی تعریف کے بغیر نہیں رہ سکتے عام چینی قصوں کی طرح اس میں کھلا وعظ و پند بھی نہیں ہے جس سے اس کا حسن اور بڑھ جاتا ہے۔ لیکن قاری اس سے موعظت حاصل کرنے پر مجبور ہے۔

قصہ کو "وفکیا ڈیوھرن" کے انگریزی کے ترجمے سے افتخار الدین اور خواجہ معین الدین صاحبان نے اردو میں ترجمہ کیا۔

پانسو سال قبل منگ خاندان کے شہنشاہ ہانگ رو کے عہد میں چینی ایک شہر تھا جس میں مَن یوا اپنی علمیت اور تقویٰ کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اس کا اکلوتا لڑکا منگوائی علمی قابلیت۔ جسمانی نزاکت اور شریفانہ کردار کی وجہ بے مثال گنا جاتا تھا۔

ابھی لڑکے کی عمر اٹھارہ سال کی تھی کہ پلو شہر ٹنگ ٹو کا مہتمم تعلیمات مقرر ہوا اور منگوائی کو بھی اپنے ساتھ لیگیا۔ ٹنگ ٹو کے قریب ایک امیر جو وہاں کا صوبہ دار بھی رہ چکا تھا رہتا تھا۔ اس کا نام شیانگ تھا۔ اور اس کو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیئے ایک قابل اتالیق کی تلاش تھی۔ نئے مہتمم تعلیمات کے آنے کی خبر سنکر امیر شیانگ مشورہ کرنے کے لیئے اس کے پاس آیا۔ اور اتفاق کی بات ہے کہ پہلے ہی پہل پلو کے لایق لڑکے سے ملاقات ہوگئی اور اس کی گفتگو کا اتنا اچھا اثر پیدا ہوا کہ اس نے اپنے بچون کی تعلیم کے لیئے منگوائی کو مقرر کر لیا۔

چونکہ امیر شیانگ کا مکان شہر سے کئی میل کے فاصلہ پر تھا۔ اسلیئے یہ مناسب سمجھا گیا۔ کہ منگوائی اپنے مربی کے ہاں مقیم رہے اور اس نوجوان نے اپنی ضروریات کی تمام چیزیں فراہم کرلیں والدین نے بھی بہ خوشی اجازت دیتے ہوئے بہت سی نصیحتیں کیں۔ اور لیوٹسیو اور دیگر علمائے سلف کے اقوال یاد رکھنے اور ان پر کاربند رہنے کی تاکید کی۔

”ایک حسین چہرے کے وجود سے دنیا محبت سے بھر جاتی ہے۔ لیکن حقیقت شناس کبھی دھوکہ نہیں کھاتے حقیقی معنوں میں انسان وہی ہے جو صنف لطیف کو اگر مشرق کی طرف سے اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھے تو مغرب کی طرف منہ پھیرے۔ اور اگر وہ مغرب کی طرف سے بڑھے تو مشرق رویہ ہو جائے“

منگوائی نے اپنی آئندہ زندگی میں اس قول کی اگر کچھ پروا نہیں کی تو اس کو معذور سمجھنا چاہیئے کیونکہ وہ نئے شباب اور بڑھتے جذبات کے ہاتھوں مجبور تھا۔ اس کو والدین سے جدا ہو کر امیر شیانگ کے مکان میں رہتے ہوئے خزاں اور بہار کے دونوں موسم گزر گئے۔

موسم بہار کا جب دوسرا چاند قریب تھا۔ اور حسینوں کی مسرت کا وہ

دن جس کو ہاچو یعنی ہزاروں غنچوں کی شگفتگی کا دن کہتے ہیں آن پہنچا۔ تو منگوائی اپنے والدین سے ملنے کو بیقرار ہو گیا۔ اور اس نے جب اپنا منشا رنیکدل شیانگ کے آگے ظاہر کیا تو نہ صرف اس کی خواہش کے مطابق اجازت دے دی گئی۔ بلکہ اس کو نقرئی تحفہ بھی دیا گیا۔ تا کہ وہ اپنے والدین کی خدمت میں پیش کر سکے۔ چینیوں کا دستور ہے کہ ہاچو کی عید میں وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو اکثر تحفے دیا کرتے ہیں۔

اس یادگار دن کی تمام فضا پھولوں کی خوشبو سے معطر تھی۔ اور شہد کی مکھیوں کی آواز سے خلا پُر تھا۔ منگوائی نے محسوس کیا کہ جس راستہ پر کہ وہ چل رہا تھا اس پر کسی نے ایک زمانہ سے قدم نہیں رکھا۔ گھانس راستہ پر بہت اگ آئی تھی اور دو طرفہ گھنے درخت اپنی سرسبز شاخیں پھیلائے منگوائی کو آغوش میں لپیٹے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ جنگل کے تنگ و تاریک حصے بھی ایک عبادت گاہ کی طرح روشنی سے چمک اور خوشبو سے مہک رہے تھے۔ اس بدست کن فضا کا اثر منگوائی کے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ منگوائی ان نو شگفتہ پھولوں سے لدی ہوئی ڈالیوں کے سایہ میں بیٹھ گیا۔ اور ہوا کی عطر بیزیوں اور خوشگوار اور پُر لطف خاموشی کے مزے لینے لگا۔ عین اس عالم سرور میں ایک نازک آواز نے اس کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ جو پھولوں کے ایک سایہ دار جھنڈ سے آئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ ایک گلبدن دوشیزہ اپنے آپ کو پھولوں کی آڑ میں چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ گو منگوائی نے ایک ہی جھپک دیکھی لیکن چہرہ کی ملاحت۔ بدن کی نزاکت۔ آنکھوں کی دلربائی اور خصوصاً خمدار ابرو کی رعنائی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ منگوائی نے جلدی سے آنکھیں پھیر لیں۔ اور فوراً کھڑا ہو گیا اور اپنا راستہ لیا لیکن پتوں کے آڑے متوالی آنکھوں کی ناوک زنی کے تصور میں کچھ ایسا

کھو گیا۔ کہ تحفہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اور اس کو خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دور چلا تھا کہ کسی نازک قدم کے پیچھے سے دوڑتے آنے کی آواز آئی اور زنانی آواز میں کسی نے منگوائی کو نام لیکر پکارا۔ منگوائی فوراً پلٹا۔ اور نہایت استعجاب سے دیکھا کہ ایک لڑکی اس کی طرف دوڑتی چلی آ رہی ہے۔ قریب آکر لڑکی نے کہا "میری مالکہ نے حکم دیا ہے کہ یہ چاندی کی چیز جو راستہ میں گر گئی تھی اٹھا کر آپ کو دیدوں"۔ منگوائی نے لڑکی کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا "میری جانب سے تمھاری مالکہ کو اس نوازش کا شکریہ ادا کرنا"۔ یہ کہا اور اس معطر خاموش فضا میں ایک بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح روانہ ہو گیا۔ لیکن یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کا قلب اس سرمایہ حسن کے خیال میں غیر معمولی تیزی سے حرکت کر رہا تھا۔

واپسی میں منگوائی پھر اسی راستہ سے آیا۔ مناظر قدرت کا وہی حال تھا۔ منگوائی پھر اسی مقام پر ٹھیرا جہاں پچھلی دفعہ اُس نے اسی پیکر حسن کی جھلک دیکھی تھی۔ لیکن اس مرتبہ وہ یہ دیکھ کر اور متعجب ہو گیا۔ دو طرفہ درختوں کے درمیان ایک محل ہے جس پر پچھلی مرتبہ نظر نہیں پڑی تھی یہ خاص قسم کی ایک چھوٹی سی عمارت تھی اس نے دیکھا کہ یہ مکان گو عالیشان نہیں لیکن بڑی حد تک خوبصورت ضرور ہے۔ اس کے دو سہرے اور خمیدہ چھت نیلی نیلی چمکدار کویلو درختوں پر سے خاص طور پر جاذب نظر ہے۔ رنگ برنگ کے نقوش جو چھجوں کے اطراف ابھرے ہوئے بنائے گئے تھے۔ فن نقاشی کا بہترین نمونہ تھے۔ محل کے آگے ایک وسیع چبوترہ تھا۔ اور چبوترے کی بالائی سیڑھیوں پر دونوں جانب چینی سے مگر بنے ہوئے تھے۔ منگوائی نے محل کی مالکہ کو اپنی اس خادمہ کے ساتھ کھڑے ہوئے پایا جس نے اس سے پہلے شکریہ کے الفاظ پہنچائے تھے۔ منگوائی نے نظر اٹھاتے ہی دیکھا

کہ دونوں اسی پر نظر جمائے مسکرا رہی ہیں۔ گو منگوائی شرما رہا تھا لیکن ہمت کر کے کسی قدر قریب گیا اور حسن کی دیوی کو سلام کیا۔ منگوائی کی اس کھوئی ہوئی حالت کو دیکھکر محل کی مالکہ تو اندر چلی گئی لیکن نوجوان خادمہ نے اشارہ سے نزدیک بلایا۔ اور ایک قدیم طرز کا دروازہ جس کو سرخ پھولوں کی بیل نے تقریباً نصف ڈھانک دیا تھا منگوائی کے لئے کھولدیا۔ منگوائی دروازہ کھولکر شگفتہ پھولوں کی روش سے ہوتا ہوا تعجب اور مسرت کے مشترکہ جذبات کے ساتھ چبوترے کی طرف بڑھا۔ اور خادمہ وسیع زینہ تک اس کے استقبال کو آئی اور جب منگوائی زینہ چڑھنے لگا تو خادمہ نے کہا۔

"جناب عالی میری مالکہ کا خیال ہے کہ آپ اس ناچیز خدمت کا جو حال میں اس کے حکم سے کی گئی تھی شکریہ ادا کرنے آئے ہیں۔ تشریف لائے۔ وہ آپ سے واقف ہے اور گفتگو کرنا چاہتی ہے۔"

منگوائی اندر آیا۔ اس کے قدم سے کوئی آواز نہیں ہوئی کیونکہ فرش نرم اور ملائم ہونے کے علاوہ جنگل کے سبزے کی طرح لچکدار بھی تھا۔ کمرۂ ملاقات جس میں یہ داخل ہوا۔ کشادہ۔ ٹھنڈا۔ اور تازہ گلدستوں سے معطر تھا۔ ایک لطف انگیز سکوت سارے محل پر چھایا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ بانس کے نیم وا دریچوں سے آنے والی روشنی میں اوپر سے گزرنے والے پرندوں کا سایہ دکھائی دیتا تھا۔ بڑی بڑی تیتریاں جن کے پروں پر سرخ رنگ کے درخشاں چھینٹے ہوتے تھے اندر چلے آتے اور کچھ دیر رنگین ظروف کے اطراف گھوم کر نکل جاتے ان تیتریوں کی خاموش پرواز کی طرح محل کی نوجوان مالکہ مقابل کے دروازے سے کمرۂ ملاقات میں داخل ہوئی۔ اور نہایت مشفقانہ انداز میں منگوائی سے مخاطب ہوئی۔ منگوائی سینہ پر ہاتھ رکھکر تعظیم کے لئے

جھک گیا۔ حسینہ کسیقدر بلند قامت تھی۔ اس کا چہرہ بدن خوبصورت گل لالہ کی طرح نازک تھا۔ اس کے بالوں میں چیوہ شا کی کے زردی مائل سفید پھول گوندھے ہوئے تھے۔ قیامت خیز چال سے زرد ریشمی لباس اس طرح رنگ بدلتا تھا جیسے روشنی میں تبدیلی کے ساتھ رات۔

رسمی آداب کے باہمی تبادلہ کے بعد جب دونوں بیٹھ گئے تو حسینہ نے کہا "اگر میرا خیال غلطی نہیں کر رہا ہے تو میں کہہ سکتی ہوں کہ میرا معزز مہمان وہی مین شا ہے جو منگوائی کے نام سے مشہور ہے۔ جو میرے معزز رشتہ دار صوبہ دار کے بچوں کا اتالیق ہے۔ چونکہ امیر شانگ کا خاندان میرا ہی خاندان ہے۔ اس لیئے اس کے بچوں کا اتالیق گویا میرے بچوں کا اتالیق ہے۔"

منگوائی نے تعجب کا اظہار کیئے بغیر پوچھا "کیا میں آپ کے معزز خاندان کا نام اور میرے مربی سے آپ کا رشتہ دریافت کرنیکی جرأت کر سکتا ہوں"؟ حسینہ نے جواب دیا کہ "میرے غریب خاندان کا نام ہینگ ہے جو شہر شنگ سا کے تین میل پرے زمانہ سے آباد تھا۔ اور میں موں ہاؤ کے ایک سائی (SAi) کی لڑکی ہوں۔ اسی مناسبت سے میرا نام بھی سائی رکھا گیا۔ اور میں ہینگ خاندان کے ایک نوجوان سے بیاہی گئی۔ جس کا نام شانگ تھا۔ اس تعلق سے مجھے آپ کے عالی قدر مربی سے قرابت ہے۔ لیکن شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی میرے شوہر کا انتقال ہو گیا۔ اور میں نے اسی سنسان مقام کو اپنی بیوگی کا زمانہ گزارنے کے لیئے کنج عافیت بنا لیا ہے۔"

سائی کی آواز میں لپلپے چشموں اور بہتے نالیوں کا سا مست کر دینے والا ترنم تھا۔ اور باتوں میں کچھ ایسی مٹھاس تھی کہ منگوائی کو اس سے پہلے

کبھی سننا نصیب نہیں ہوا تھا۔ لیکن یہ معلوم کر کے کہ وہ بیوہ ہے نوجوان نے مناسب نہ سمجھا کہ بغیر اصرار کے دیر تک ٹھیرا رہے۔ اس لیئے چاء کے بعد ہی رخصت ہونے کی اجازت چاہی۔ لیکن ساآئی نہیں چاہتی تھی کہ وہ اسقدر جلد چلا جائے۔

"نہیں جناب" حسینہ نے کہا "براہ کرم تشریف رکھیئے اگر آپکے معزز مربی کو معلوم ہو جائے کہ یہاں آپ کی جیسے چاہیے ویسی آؤبھگت نہیں ہوئی۔ تو مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور مجھ سے ناراض ہوں گے۔ کم از کم شام کے کھانے تک تو ٹھیر جائیے۔

منگوآئی ٹھیر گیا اور اس روک لیئے جانے پر دل ہی دل میں خوش تھا۔ ساآئی اس کی نظر میں حسین ترین عورت تھی اور وہ محسوس کرتا تھا کہ اپنے والدین سے زیادہ اس حسینہ سے محبت رکھتا ہے۔ باتوں باتوں میں شام کے ارغوانی دھندلکے پر رات کی تاریکی غالب آگئی۔ اور غروب آفتاب کی شفق آہستہ آہستہ غائب ہو گئی۔ تین ستاروں کا مجموعہ جس کو میزان کہتے ہیں۔ اور جس کے قبضہ میں انسانی حیات و ممات کا معاملہ ہے قطب شمالی کی جانب آسمان پر نمودار ہوا ساآئی کے محل کے رنگین قمقمے روشن کیئے گئے۔ شام کے کھانے کے لیئے دسترخوان چُنا گیا۔ منگوآئی بیٹھنے کو تو بیٹھ گیا لیکن اشتہا مطلق نہ تھی اور مقابل کے حسین چہرہ کی دید میں محو تھا۔ یہ دیکھ کر کے کہ نوجوان مہمان نے پیش کردہ لذیذ غذاؤں میں سے بمشکل چند نوالے اٹھائے ہیں ساآئی نے شراب سے تواضع کی اور جام کے دور شروع ہو گئے۔ شراب ارغوانی تھی اور اسقدر ٹھنڈی کہ اس سے جام کے باہر تری پیدا ہوتی تھی۔ لیکن رگ و پے میں پہنچتے ہی خاص حرارت پیدا کر دیتی تھی۔ عالم سرور میں منگوآئی کی نظروں میں آرائش کی تمام چیزیں پرنور ہو گئیں۔ کمرے کی

دیواریں پیچھے کو ہٹتی ہوئی چھت اوپر کو بلند ہوتی ہوئی اور قمقمے تاروں کی طرح چمکتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ سائی کی آواز نوجوان کے کان میں ایسی سُریلی معلوم ہوئی جیسے دور سے سنائی دینے والا راگ، رات کی خاموشی میں۔ دل اچھلنے لگا۔ زبان بہکنے لگی۔ اور ایسے الفاظ نکلنے لگے جس کو وہ ہوش کی حالت میں زبان پر نہ لاسکتا تھا۔ اس پر بھی سائی نے اس کو باز رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ سائی کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ نہ تھی۔ لیکن منگوائی کی زبان سے اپنی تعریف سن کر اس کی بڑی چمکدار آنکھیں مسرت سے چمکنے لگیں اور منگوائی کی نگاہِ شوق کو محبت آمیز نظر سے دیکھنے لگی۔

سائی "میں نے آپ کے عجیب وغریب کمالات اور قابلیتوں کی شہرت سنی ہے۔ گو میں نے موسیقی کی باضابطہ تعلیم نہیں پائی مگر کچھ گالیتی ہوں۔ اور اب چونکہ فن موسیقی کا ایک ماہر میرا مہمان ہے۔ اسلئے تکلّف کو بالائے طاق رکھ کر چاہتی ہوں کہ آپ میرے ہم نوا ہوں اور ذرا توجہ سے میری راگنیوں کو سن لیں تو بڑی عزت افزائی ہوگی"۔

منگوائی "یہ میری بڑی عزت افزائی ہے اور میں ان غیر مترقبہ عنایات کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں"۔

چاندی کی گھنٹی کی آواز پر خادمہ آئی اور ساز رکھ گئی۔ منگوائی نے مسودات کو اٹھایا۔ اور شوق سے دیکھنے لگا یہ کاغذات چینی تھے اور ان کا رنگ زردی مائل تھا۔ خط میں قدیم نستعلیقی خوبیاں تھیں۔ گویا ہی سانگ اور سی چوشو کے قلم کا لکھا ہوا تھا۔ اور اس پر خاندان سنانگ کے مان چین، کیموچین۔ بھیمو بلند پایہ شعرا اور گویّوں کی مہریں تھیں منگوائی ایسے بیش بہا اور نادر خزانہ کو دیکھ کر خوشی سے چیخ اٹھا۔ اور ان کاغذات کو ایک لمحہ کے لیئے بھی اپنے ہاتھ سے علیحدہ نہیں کرتا تھا۔

منگوائی۔ (جوش سے) "یہ انمول سرمایہ تمام بادشاہوں کے خزانوں سے کہیں زیادہ بیش بہا ہے۔ یہ اُن استادان فن کی تحریر ہے جو ہم سے پانسو سال قبل گزرے ہیں۔ کیسے عجیب طریقہ سے ان کو محفوظ کیا گیا ہے کیا یہ نہی عجیب روشنائی نہیں؟ جس کے متعلق لکھا گیا ہے کہ "صدیوں تک مجھ میں پہاڑ کا استحکام ہوگا اور میرے بنائے ہوئے الفاظ میں دائمی پائداری"۔ اس کلام میں کتنی روحانیت اور جادو اثری ہے جس کو کیوپین کے حاکم نزی چواں سے جو اپنے عہد کا ملک الشعرا بھی تھا۔ پانسو سال قبل لکھا تھا۔

ساآئی (دبی آواز میں) "کیوپین۔ کیوپین۔ پیارے کیوپین" اس وقت ساآئی کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ "کیوپین کو میں بھی پسند کرتی ہوں۔ پیارے منگوائی۔ آؤ اس کی غزلوں کو ہم تم ملکر گائیں۔ اور اس قدیم زمانہ کی طرز میں گائیں جس کے لوگ اس زمانہ سے زیادہ شریف اور عقلمند تھے"

ان کی سحر کار آواز ایک خوش نوا پرندے کی طرح معطر رات میں گونجنے لگی۔ فضا بھی اُن کی ہم آہنگی کرتی رہی ایک سیال شیرینی سے معمور ہوگئی تھی منگوائی اپنی ہم نوا سحر انگیز آواز سے بہت جلد مسحور اور ہمہ تن گوش ہوگیا۔ کمرہ کی روشنی اس کی نظر میں دھندلی ہوگئی۔ اور مسرت کے آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔

اس حالت میں نو بجگئے اور پھر بڑی رات تک بات میں بات نکلتی گئی۔ اور چاول کی شراب کے دور چلتے رہے۔ شانگ کے زمانہ کی گیتیں گائی گئیں۔ ایک سے زائد مرتبہ منگوائی کو رخصت ہونے کا خیال آیا۔ لیکن ساآئی شعرائے قدیم کے عجیب و غریب قصے۔ ان کی عشق کی داستانیں کچھ ایسے دلربا انداز میں سناتی رہی کہ منگوائی حرف مطلب زبان پر نہ لاسکا۔

بعض وقت وہ ایسا نادر گیت گاتی کہ منگو آئی کی قوت سامعہ کے علاوہ تمام احساسات معلوم ہوتا کہ سلب ہو گئے ہیں۔ آخر میں جب شراب پینے پلانے کے لیئے اُس نے گانا بند کیا۔ تو منگو آئی اس کی سڈول گردن میں باہیں ڈالنے۔ نازک سر کو قریب تر لینے اور شراب سے زیادہ سُرخ ہونٹوں کا بوسہ لینے سے اپنے آپ کو باز نہ رکھ سکا۔ دونوں کے ہونٹ جب مل گئے تو پھر جدا ہونے کا نام نہ لیا۔ رات گزرتی گئی۔ اور انھیں اس کی کچھ خبر نہ ہوئی۔

پرندے چہچہانے لگے۔ کلیاں چٹکنے لگیں۔ اور منگو آئی کے لیے حسین ساحرہ سے رخصت ہونے کا وقت آگیا۔ ساآئی رخصت کرنے کے لیئے چبوترے تک آئی۔ اور گرم جوشی سے پیار کیا۔ اور کہا "پیارے! جب کبھی آسکو آؤ اور جب جی چاہے بے تکلف چلے آنا۔ مجھے یقین ہے کہ تم اُن میں سے نہیں ہو جن میں وفاداری اور صداقت نہیں ہوتی اور راز فاش کر دیا کرتے ہیں۔ بمقتضائے سن ممکن ہے کہ تم سے بھی غلطی ہو جائے۔ یاد رکھو ہماری محبت کے گواہ فقط یہ چمکتے ستارے ہیں۔ کسی زندہ ہستی سے اس واقعہ کا ذکر نہ کرنا۔ اور اس خوشگوار رات یہ چھوٹی سی یادگار اپنے ساتھ لیتے جاؤ"

ساآئی نے ایک عجیب اور نادر پیپر ویٹ (PAPER WEIGHT) جس کی شکل ایک بیٹھے ہوئے شیر کے مانند تھی۔ اور ایک زرد رنگ کے دھاری دار پتھر سے تراشا گیا تھا تحفتاً پیش کیا۔ منگو آئی نے تحفے اور تحفہ دینے والے ہاتھ۔ دونوں کو بوسہ دیا اور کہا "پاک روحوں کی مجھ پر لعنت ہو اگر کبھی دانستہ تمھاری دلشکنی کا باعث ہوں" یوں باہمی عہد و پیمان کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

امیر شانگ کے مکان پر آنے کے بعد یہ پہلی جھوٹ تھی جو عمر بھر میں اس کی زبان سے نکلی۔ اس نے بیان کیا کہ اب چونکہ موسم خوشگوار ہو گیا ہے۔ اس لیئے اس کی ماں کی خواہش ہے کہ آیندہ سے وہ رات اپنے گھر پر بسر کرے۔ اگرچہ مسافت طویل تھی۔ لیکن اس کے طاقتور اور تندرست قویٰ کے لیئے فطرتاً تازہ ہوا اور ورزش کی ضرورت تھی منگوائی کے بیان پر شانگ کبھی شبہ نہیں کرتا تھا۔ اس لیئے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس کے بعد سے منگوائی کی راتیں خوبصورت سائی کے ہاں بسر ہونے لگیں۔

ہر رات اسی قسم کی رنگ رلیاں ہتیں جس نے پہلی مرتبہ انکی ملاقات کو دلچسپ بنایا تھا کبھی گاتے کبھی باتیں کرتے۔ کبھی شطرنج کھیلتے اور کبھی پھولوں۔ درختوں۔ بادلوں چشموں اور پرندوں کی تعریف میں شعر موزوں کرتے۔ لیکن ان تمام مشاغل میں سائی اپنے نوجوان محبوب سے بدرجہا بڑھی چڑھی رہتی۔ جب بساط بچھتی۔ منگوائی کے شاہ اور فرزین کو قلعہ بند ہونا پڑتا۔ اور شکست کھانی پڑتی۔ جب شعر موزوں کیئے جاتے تو سائی کی نظمیں الفاظ کی برجستگی۔ خیالات کی بلندی اور موسیقیت کا لحاظ کرتے بہت بلند پایہ ہوتیں۔۔ موضوع بھی خاندان شانگ کے شعرا کی طرح اکثر ادق انتخاب کیا جاتا گیت بھی وہی گاتے جو پانسو سال قبل گائے جاتے تھے۔

گرما کا موسم عشق و عاشقی میں گزر گیا۔ اور خزاں کا موسم آن پہنچا۔ خلاف توقع ایک وقت امیر شانگ، منگوائی کے باپ سے پوچھ بیٹھا کہ " اب موسم سرما شروع ہونے کے بعد بھی کیا تمہارے لڑکے کو ہر رات گھر جانے کی ضرورت ہے ؟ مسافت طویل ہے اور صبح وہ یہاں آنے تک، تھک جاتا ہے۔ کیوں اس کو اجازت نہیں دیجاتی کہ برف باری کے زمانہ میں، رات کو وہ یہیں سو جایا کرے "

منگو آئی کے باپ نے بڑی جرأت سے جواب دیا "جناب میرا لڑکا شہر نہیں آتا۔ اور نہ موسم گرما میں وہ کوئی رات میرے ہاں رہا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کے اطوار کہیں بگڑ نہ گئے ہوں۔ اور وہ اپنی راتیں جوا کھیلنے اور بازاری عورتوں کے ساتھ شراب خانوں میں نہ گزارتا ہو" صوبدار نے کہا اس پر ایسا شبہ نہ کرو۔ میں نے لڑکے میں آج تک کوئی خرابی نہیں دیکھی۔ اور ہمارے قرب وجوار میں شراب خانہ اور چیکلے وغیرہ مخرب اخلاق مقامات نہیں ہیں بلاشبہ منگو آئی کو کوئی ہم عمر حسینہ مل گئی ہے جس کے ہاں وہ رات بسر کیا کرتا ہے۔ اور صرف اسی اندیشہ سے اس نے جھوٹ کہا کہ میں اس کو وہاں جانے کی اجازت نہ دوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس معاملہ میں اس سے کچھ نہ پوچھیں۔ آج ہی میں اپنے آدمی کو اس کے پیچھے روانہ کردوں گا۔ کہ اصلیت کو دریافت کرلے۔

پلو نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور کل صبح آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ شام ہوتے ہی جب منگو آئی شانگ کے گھر سے نکلا ایک ملازم اس کی آنکھ بچا کر ساتھ ہو لیا۔ لیکن راستہ کے ایک تاریک مقام پر پہنچکر منگو آئی یکایک نظروں سے غائب ہو گیا بہت دیر تک لاحاصل جستجو کے بعد ملازم پریشان ہو کر واپس آیا اور مالک سے واقعات بیان کئے۔ امیر شانگ نے فوراً پلو کو اطلاع دی۔

اس اثنا میں منگو آئی اپنی محبوبہ کے کمرے میں داخل ہوا اور اس کو روتا دیکھ کر بیقرار ہو گیا۔ حسینہ نے سسکیاں بھرتے ہوئے منگو آئی کے گلے میں باہیں ڈالدیں۔ اور کہا "پیارے! اب ہم ہمیشہ کے لیئے جدا ہونے کو ہیں۔ وجہ بیان کرنی فضول ہے۔ میں

پہلے ہی سمجھی تھی کہ جدائی کا ایک دن ضرور آنے والا ہے۔ لیکن اس پر بھی اتنی جلد جدائی اور قسمت کی کایا پلٹ پر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتی پیارے! آج کے بعد ہم ایک دوسرے کو کبھی نہ دیکھ سکیں گے اور مجھے یقین ہے کہ تم عمر بھر مجھے نہ بھولو گے۔ تم بڑے عالم بنو گے۔ تم پر عزت اور دولت کی بارش ہوگی۔ ایک حسین اور محبت والی عورت میرا نعم البدل ہوگی۔ خیر ان رنج دہ باتوں کو جانے دو اور اس آخری رات کو خوشی میں بسر کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمھیں میری یاد ستائے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بجائے میرے رونے کے میرے ہنسنے کو یاد رکھ سکو۔" سائی نے فوراً آنسو پونچھ ڈالے اور شراب و ساز لے آئی اور ساتھ ہی ساتھ تاری کن بھی اٹھا لائی۔ تاکہ منگوائی کا دل ایک لمحہ کے لیئے آنیوالی جدائی کے خیال سے غمگین نہ ہو۔ اور ایک قدیم گیت گانا شروع کیا جس میں موسم گرما کے چشموں کی خاموشی۔ اور ان میں نیلگوں آسمان کا عکس۔ رنج و افکار کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں لگی مختصر دنیا کی پر سکون حالت کا ذکر تھا۔ محفل کا رنگ جمتے ہی رنج کا خاتمہ ہو گیا۔ منگوائی کے لیئے یہ آخری گھڑیاں پہلی ملاقات سے کہیں زیادہ پر لطف گزریں۔

لیکن جوں ہی صبح نمودار ہوئی افکار نے آگھیرا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر ایک مرتبہ سائی اپنے عاشق کے ساتھ چبوترے تک آئی۔ اور وداعی بوسہ لیا۔ اور ایک رخصتی تحفہ دیا۔ یہ تحفہ برش رکھنے کا ایک خوبصورت ڈبہ تھا۔ جو قیمتی پتھر سے تیار کیا گیا تھا۔ اور ایک بلند پایہ شاعر کی میز پر رکھنے کے لیئے موزوں تھا۔

منگوائی کو کسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ یہ مفارقت دائمی ہے۔ دل میں کہنے لگا۔ "میں کل ضرور آؤں گا۔ کیونکہ میری زندگی بغیر اس کے محال ہے اگر میں آجاؤں تو وہ مجھے منع تو نہیں کریگی"۔ یہی خیالات تھے جنکو لیئے ہوئے

منگوآئی شانگ کے مکان پر پہنچا۔ دیکھا کہ اس کا باپ اور اس کا مربی دونوں برآمدے میں کھڑے اس کا انتظار کر رہے ہیں اور قبل اس کے کہ منگوآئی ایک لفظ بھی زبان سے نکالے۔ پلّو نے دریافت کیا "بیٹا! تمھاری راتیں کہاں بسر ہوا کرتی ہیں۔" یہ دیکھ کر کہ اس کی جھوٹ ظاہر ہو گئی۔ منگوآئی نے جواب دینے کی ضرورت نہ سمجھی۔ بلکہ سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔ پلّو غضب آلود ہو کر منگوآئی کے ایک ڈنڈا رسید کیا۔ اور حکم دیا کہ صاف صاف کہہ دے۔ کچھ تو والدین کے ڈر سے اور زیادہ تر اس قانون کے خوف سے جس کے تعزیراتی الفاظ یہ ہیں۔ "جو لڑکا اپنے باپ کا کہا نہ مانے اس کو سو ڈنڈے رسید کیے جائیں۔" منگوآئی نے اپنی محبت کی داستان سنانی شروع کی۔

شانگ کے چہرہ پر ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا۔ آخر میں صوبدار نے کہا "میاں بچے! پنگ نامی نہ کوئی میری رشتہ دار ہے نہ میں اس عورت کو جانتا ہوں اور نہ کبھی اس مکان کے متعلق ہی سنا ہے جس کا تم ذکر کر رہے ہو۔ اتنا مجھے یقین ہے کہ تم اپنے باپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتے البتہ اس میں مافوق الفطرت اثر ضرور معلوم ہوتا ہے۔"

منگوآئی نے ساآئی کے دیے ہوئے تحفے۔ زرد پتھر کا شیر۔ برش رکھنے کا ڈبہ اور حسینہ کے موزوں کیے ہوئے چند اشعار پیش کیے۔ پلّو اور شانگ دونوں متحیر تھے۔ برش کے ڈبہ اور شیر ببر میں ان چیزوں کی شباہت تھی جو صدیوں پہلے سپرد خاک کر دی گئیں تھیں۔ اور اس زمانہ میں کوئی کامل صناع ان کی نقل اتار نہ سکتا تھا۔ اور نظمیں مسلمہ طور پر شہکار تھیں جو خاندان شانگ کے شعرا کے قدیم طرز پر موزوں کی گئیں تھیں۔

"دوست پلّو! صوبہ دار نے جلدی سے کہا "ہمیں اس لڑکے کے ساتھ

اس مقام پر جانا چاہیے جہاں سے یہ نادر چیزیں اس کے ہاتھ لگی رہیں۔ آؤ اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ لڑکا سچا ہے لیکن اس کی داستان میری سمجھ سے باہر ہے" اور دونوں سائی کے قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب راستہ کے اس سایہ دار حصہ پر پہنچے۔ جہاں خوشبو مہک رہی تھی اور سبزہ لہلہا رہا تھا۔ منگولی درختوں کے جھنڈ پر نظر دوڑا کر مایوسی سے چیخ اٹھا۔ کیونکہ جہاں پہلے نیلی کو ہلو والا مکان کھڑا آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ وہاں فضا کے نیلے رنگ کے سوا اب کچھ نہ تھا۔ اور جہاں سبز اور سنہری برآمدے تھے وہاں خزاں کی زرد روشنی میں صرف سبز پتے ہلتے نظر آتے تھے۔ جہاں وسیع چبوترہ تھا وہاں ویرانہ سائی کا محل غائب ہو گیا تھا۔ اور اس کے بجائے ایک قدیم مزار تھی جس پر اسقدر کائی جمی ہوئی تھی کہ اس کا کتبہ بھی پڑھا نہیں جاتا تھا۔

مزار دیکھتے ہی صوبہ دار سر پیٹنے لگا۔ اور پلو سے مخاطب ہو کر شنکو کا مشہور شعر پڑھا۔ ع

"پھول نرگس کے کھلینگے سائی تھاؤ کی قبر پہ"

"دوست پلو" شانگ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا وہ حسن جس نے تمھارے بیٹے کو سحر کیا ہے اس عورت کے سوا کوئی اور نہیں جس کا مزار اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ کیا اس نے نہیں کہا کہ وہ پنگ کھانگ کی بیوی ہے۔ گو اس نام کا کوئی خاندان باقی نہیں رہا لیکن اس نام کی شہر میں ایک گلی اب بھی موجود ہے۔۔ دوسری تمام باتیں ایک معمہ ہیں۔ وہ اپنے آپ کو سائی موَن ہیو بتاتی ہے اس نام کا نہ کوئی خاندان ہے اور نہ کوئی گلی ہی اس نام سے موسوم ہے۔ البتہ چینی زبان میں موَن اور ہیو دونوں لفظوں کو ملانے سے کیو یعنی سننے کے

معنی پیدا ہوتے ہیں۔ اور پنگ گھانگ۔ کیو کی سڑک کی ایک گلی ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں شانگ خاندان کی وہ عورت رہتی تھی جس کو شاہی تقرب حاصل تھا۔ کیوپین نے اپنی نظموں میں ان دونوں تحفوں کی تعریف کی ہے۔ اور ان صناعی کے بہترین نمونوں کو شہر بھٹو آئی کے اور شاہ کاڈ کی ملکیت ہونے پر فخر کیا ہے۔ شہر کا تو اب پتہ نہیں البتہ کیوپین کی یاد تازہ ہے جو صوبہ شش شوان کا حاکم تھا اور ایک زبردست شاعر بھی۔ اس زمانہ میں خوبصورت سائی اس کی محبوبہ تھی جو اپنے ہمعصر حسینوں میں لاجواب گنی جاتی تھی۔ یہی وہ کیوپین ہے جس نے یہ نظمیں اس کو دی تھیں اور یہی وہ شخص ہے جس نے صناعی کے یہ اعلیٰ نمونے سائی کے نذر کی تھیں۔

سائی کی موت عام عورتوں کی سی نہ تھی۔ اس کی ہڈیاں بھی باقی نہ ہوں گی۔ لیکن اس کی روح اس تاریک مقامات میں ابتک موجود ہے“

شانگ کی زبان بند ہو گئی۔ تینوں پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔ صبح کی کہر نے سبزہ زار کو دھندلا بنا دیا تھا۔ جنگل اور زیادہ بھیانک ہو گیا نسیم کا ایک ہلکا سا جھونکا چلا۔ اور ان مرجھانے والے پھولوں کی آخری خوشبو سنگھا گیا جو اکثر گل پیرہنوں کے اتارے ہوئے لباس سے آتی ہے۔ اور ہوا کے جھونکوں کے درختوں سے ہو کر گزرنے میں سائی سائی کی آواز سنائی دی۔

چونکہ لڑکے کی جان کا خوف تھا اس لئے یلو نے اس کو شہر رنگ چاتو بھیجدیا۔ جہاں منگو آئی نے اپنی علمیت کے اندر سے بڑے بڑے اعزاز اور رتبے حاصل کئے۔ اور ایک معزز خاندان کی لڑکی سے شادی کی اس سے کئی لڑکے لڑکیاں ہوئیں جنھوں نے بعد میں حسن صورت و حسن سیرت کی وجہ سے دنیا میں بڑا نام پیدا کیا لیکن

منگو آئی کے دل سے ستائی کی یاد نہ جاتی تھی نہ گئی ۔ اس نے کبھی اس کا ذکر زبان پر نہ لایا ، اپنے بچوں سے بھی کچھ نہ کہا حتیٰ کہ اسوقت بھی جب وہ اس کی میز پر رکھے رہنے والی دو خوبصورت چیزوں کا قصہ بیان کرنے کے لیئے اس کو تنگ کیا کرتے ۔

تلوّن مزاج بیوہ

(مصنف نامعلوم تقریباً پندرہویں صدی عیسوی)

یہ قصہ "عجیب قصے" کے مجموعہ میں بہترین ہے ۔ گذشتہ قصے میں اور اس میں بالکل تضاد ہے ۔ اس میں مصنف نے انسان کی کمزوریوں کو بے نقاب کیا ہے ۔ یونان کے قصے "عفیفہ" کو اس سے ملانے کے بعد خیال ہوتا ہے کہ شاید ان دونوں کا ماخذ ایک ہو ، بہرحال یونانیوں کی طرح چینی بھی ، صنف مخالف کے متعلق بدگمان تھے ۔

آر ، کے ڈگلاس کے انگریزی ترجمے سے جو "چینی قصے" کے عنوان سے چھپا تھا ۔ افتخار الدین اور خواجہ معین الدین صاحبان نے اس کا اردو ترجمہ کیا ۔

شہر کے کچھ فاصلہ پر جنگل کے سنسان حصہ میں تشانگ نامی

ایک فلسفی رہتا تھا۔ جس کی زندگی تیسری بیوی کی صحبت میں نہایت مسرت و آرام سے گزرتی تھی۔ اور وہ اپنا زیادہ وقت اپنے استاد لیوٹز کے بنائے ہوئے اصول پر غور کرنے میں صرف کیا کرتا۔ اکثر فلسفیوں کی طرح اس کی زندگی بھی پہلی بیوی کے ساتھ کچھ خوشگوار نہیں رہی اس کی پہلی بیوی جوان مر گئی۔ دوسری کو اس کی بدچلنی کی وجہ سے طلاق دینی پڑی۔ لیکن تین سے شادی کرنے کے بعد اس کو وہ خوشی نصیب ہوئی جس سے وہ اب تک محروم تھا۔ فلسفی ہونے کی حیثیت سے اطمینان قلب کی خاطر شانگ قریب کی پہاڑیوں اور سرسبز وادیوں میں تفریح کیا کرتا تھا۔ ایک روز یوں ہی تفریح کرتا چلا جا رہا تھا کہ ایک تازہ قبر دکھائی دی جس کے بازو ایک نوجوان عورت ماتمی لباس پہنے بیٹھی قبر پر پنکھا جھل رہی تھی۔ اس عجیب طرز سوگواری کو دیکھکر حقیقت کا متلاشی آگے بڑھا۔ اور نرمی سے پوچھا "آپ یہ کیا کر رہی ہیں؟" عورت نے جواب دیا۔ "یہ قبر میرے شوہر کی ہے اور اس بیوقوف شخص نے مرنے سے تھوڑی دیر پہلے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں اس وقت تک دوسری شادی نہ کروں جب تک اس کی قبر کی مٹی پوری طرح خشک نہ ہو جائے۔ کئی روز ہو گئے مگر ابھی اس میں تری باقی ہے۔ اور چونکہ دوسری شادی کی مجھے جلدی ہے اس لیئے اس کو ہوا دے رہی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے شانگ کی طرف کچھ اس بھولے پن اور محبت بھری نگاہ سے دیکھا کہ اس کا دل پہلو سے نکل گیا۔ اور فلسفی بے اختیار اپنی خدمات پیش کرنے کو تیار ہو گیا۔ وہ آگے بڑھا اور کہا۔ "تمھارے نازک ہاتھ اس کام کو انجام دینے کے قابل نہیں۔ لائیے میں آپ کو اس مصیبت سے چھڑا دوں۔" عورت نے جواب میں فوراً کہا "بڑی نوازش ہو گی

لیجیے یہ پنکھا لیجیے۔ جلد سے جلد اس قبر کی مٹی کو خشک کر دیجیے میں اس احسان کو کبھی نہ بھولوں گی۔"

شانگ نے فوراً پنکھا جھلنا شروع کر دیا۔ اور جادو کی قوت سے کام لیکر ایک دو ہی ہاتھ میں قبر کی مٹی کو سکھا دیا خاتون اس کامیابی پر بیحد مسرور ہوئی۔ اور دلربا تبسم کے ساتھ کہا "میں آپ کی اس نوازش کا کیا بدل کر سکتی ہوں مجھے اجازت دیجیے۔ کہ اس تشکر کی یاد تازہ رکھنے کے لیئے بطور شادمانی یہ مرصع پنکھا آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ نیز یہ کہ اس ذرہ نوازی کی یادگار میں بالوں میں لگانے کے اس مرصع کانٹے کو بھی قبول فرمائیں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے پنکھے کو فلسفی کے آگے پیش کیا۔ اور سر سے بلوس نکال کر قبول کرنے کی درخواست کی فلسفی نے پنکھا تو لے لیا۔ لیکن شاید تیمن کے خوف سے اس نے کانٹے کے لینے سے انکار کر دیا۔ اور اس واقعہ پر غور کرتا ہوا گھر پہنچا۔ اور کمرے میں داخل ہو کر اس نے ایک سرد آہ بھری۔

تیمن جو اسی وقت کمرہ میں داخل ہوئی تھی تعجب سے پوچھنے لگی۔ "کیوں! آپ یہ آہ کیوں بھر رہے ہیں۔ اور آپ کے ہاتھ میں یہ پنکھا کیسا ہے"؟

قبر پر گزرے ہوئے واقعات شانگ نے بلاکم و کاست بیان کر دیئے۔ قصہ بیان کرتے وقت تیمن کے چہرہ پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ قصہ ختم ہو جانے کے بعد تیمن نے جوان بیوہ کو کوستے ہوئے غصے سے کہا "یہ عورت ہماری صنف کے لیئے باعث ننگ ہے۔" شانگ نے چپکے سے جواب میں یہ مقولہ کہا: "دل کی برائی صورت پر لکھی نہیں رہتی۔" اس کہاوت کی ترجمانی اپنے خلاف کرتے ہوئے یہ دیکھکر کہ شوہر نے اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا

اس نے غصہ سے کہا "آپ تمام عورتوں پر الزام لگانے کی کیسی جرأت کر سکتے ہیں۔ کیا تمام عورتیں اس بے شرم بیوہ کے سانچے میں ڈھلی ہیں؟ حیرت ہے کہ مجھ پر اور مجھ جیسی دوسری عورتوں پر اس قسم کا الزام لگاتے ہوئے آپ کو کچھ بھی پس و پیش نہیں ہوتا۔"

"غصہ کی کیا بات ہے۔ فرض کرو اگر میں مر جاؤں تو کیا تم اس حسن و جوانی کو لیئے ہوئے پانچ سال یا کم از کم تین سال بھی بیوہ رہنا پسند کرو گی؟"

"وفادار وزیر، دو بادشاہوں کی ملازمت نہیں کرتا۔ اور نیک بیوی دوسرے شوہر کا دل میں خیال تک نہیں لاتی۔" ٹین نے فیصلہ کن انداز میں کہا "خدانخواستہ آپ اگر انتقال کر جائیں تین سال پانچ سال کیا معنی عمر بھر کے لیئے دوسرے مرد کی صورت بھی دیکھوں تو کہہ دینا۔"

"یہ بہت مشکل ہے" شانگ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ سمجھتے ہیں کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح نیکی سے ہٹی ہوئی اور انصاف سے دور ہوتی ہیں۔ آپ کے ہاں ایک مری، دوسری آگئی۔ ایک کو طلاق دی دوسری سے نکاح کر لیا۔ لیکن ہم ہیں کہ جس کے ہو گئے۔ بس اسی کے ہو رہے۔ میں آپ کی دلخراش باتیں سننا نہیں چاہتی" یہ کہتے ہوئے اس نے پنکھے کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے شانگ کہتا ہی رہا "جانے بھی دو جانے بھی دو وقت پڑنے پر مخالفت کر لینا" لیکن اس نے ایک نہ سنی۔

بہت دن نہیں گزرے کہ شانگ بری طرح بیمار ہو گیا۔ اور جب علالت بڑھنے لگی تو اس نے ٹین کو پاس بلا کر کہا "میں محسوس کرتا ہوں کہ میرا وقت قریب آگیا ہے۔ اور اب میں تمکو خدا حافظ

کہنا چاہیئے افسوس ہے کہ اس دن تم نے پنکھا برباد کر دیا۔ ہوتا تو میری قبر خشک کرنے میں کام آتا۔"

ایسے آخری وقت میں خدا کے لیئے آپ مجھ پر شبہ نہ کریں۔ کیا میں نے "کتاب الحقوق والفرائض" نہیں پڑھی اور کیا اس کتاب کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ بیوی صرف ایک شوہر کی ہو رہے۔ کیا آپ کو میری محبت پر شبہ ہے۔ کہو تو آپ کے سامنے جان دیدوں۔ تاکہ آپکو معلوم ہو جائے کہ جو کچھ میں نے کہا کر دکھایا۔"

"بس اتنا کافی ہے۔" شانگ نے جواب میں کہا۔ اور جب کمزوری کا غلبہ ہونے لگا۔ تو اس نے نقاہت سے کہا۔ "میں مر رہا ہوں اور میری آنکھوں میں اندھیرا چھا رہا ہے۔" اور بے حس ہو کر گر پڑا۔

ٹین کو جب اپنے شوہر کے مرجانے کا یقین ہو گیا۔ تو وہ زور زور سے ماتم کرنے لگی۔ اور بار بار نعش کو سینہ سے لپٹا لیتی۔ رات دن بھوکی رہتی اور شوہر کی یاد میں رویا کرتی۔ اس کو ہمیشہ متوفی شوہر کی خوبیاں اور مہربانیاں رہ رہ کر یاد آتیں۔

دستور کے موافق شانگ جیسے لائق آدمی کے انتقال کی خبر سنکر شہر کے لوگ تعزیت کے لیئے آئے اور غمگساری کرنے لگے۔ سب لوگوں کے واپس جانے کے بعد ایک نوجوان خوبرو طالب علم آیا جس کی صورت اپنی آپ نظیر تھی ریشمی نیلگوں کپڑے۔ سیاہ ٹوپی کمر میں مرصع پٹکا اور پیر میں سرخ جوتا سونے پر سہاگے کا کام کر رہے تھے۔ اس کا ملازم اس کو سلطنت تشو کا شہزادہ بتاتا تھا۔ اور وہ خود اس نے اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا۔

"چند سال پہلے میں نے شانگ سے اپنی تعلیم کے متعلق خط و کتابت کی تھی۔ اس غرض کی تکمیل کے لیئے میں حاضر ہوا تھا۔ میں نہیں بیان کر سکتا

اس عالم کی موت میرے لیئے کس قدر روح فرسا ہے۔"

اظہار رنج کے لیئے شہزادہ نے فوراً زرق برق پوشاک اتار ماتمی لباس پہن لیا۔ اور جنازے کے آگے چار مرتبہ زمین بوس ہو کر روتے ہوئے کہنے لگا " یہ میری بد قسمتی ہے کہ آپ کے فیض تعلیم سے مستفید نہ ہو سکا۔ اپنی عقیدت اور اظہار محبت کے لیئے میں ایک سو دن یہاں ٹھیروں گا۔ اور آپ کا ماتم کروں گا" دوبارہ دو چار مرتبہ زمین بوس ہوا۔ اور بہت دیر تک روتا رہا جب کچھ تسکین ہوئی تو اس نے ٹین سے ملنے کی درخواست کی۔ ٹین نے پہلے تو اس سے ملنے سے انکار کر دیا لیکن جب اس کو مستند طریقہ پر بتلایا گیا کہ متوفی شوہر کے شاگردوں سے پردہ مناسب نہیں تو نہ اس سے ملنے پر راضی ہو گی۔

ٹین شہزادے سے نیچی نظروں کیئے ہوئے ملی۔ لیکن جرات کر کے ایک بار جو نظر اٹھائی تو نوجوان کے حسن و جمال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ جب محبت دلنشین ہو گئی تو اصرار کر کے اپنے ہاں ٹھیرا لیا۔ چند نایاب کتابیں جو اس کے شوہر کے مطالعہ میں اکثر رہا کرتی تھیں پڑھنے کو دیں۔ ایفائے عہد کے لیئے شہزادہ روز تابوت کے پاس آتا اور ماتم کرتا۔ ٹین بھی ماتم کو جاتی۔ چند روز میں بے تکلفی ہو گئی۔ اور بجائے تعزیت کے خوش نگاہیاں شروع ہو گئیں۔ ابھی شہزادے کو لگاؤ پیدا نہیں ہوا تھا کہ ٹین بری طرح اس کے عشق میں مبتلا ہو گئی۔ شہزادے کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کی غرض سے ٹین نے ایک روز شہزادے کے نوکر کو کمرے میں بلوایا اور خوب شراب پلا کر باتوں باتوں میں دریافت کر لیا کہ شہزادہ ابھی ان بیاہا ہے اور کہیں نسبت بھی نہیں ہوئی ہے

نوکر۔ (بدمستی کے عالم میں) میرے آقا کی بس اتنی تمنا ہے کہ اس کو آپ جیسی حسین عورت مل جائے"۔

ٹین (اشتیاق سے) "کیا واقعی اس کا یہی خیال ہے۔ اور کیا تم مجھ سے سچ کہہ رہے ہو"۔

نوکر۔ "کیا مجھ جیسا بوڑھا آدمی بھی آپ سے مذاق کرے گا"۔

ٹین۔ "پھر تو تم درمیان میں پڑ کر ہم دونوں کی شادی کرادو"۔

نوکر۔ "میرے آقا کی بھی یہی تمنا ہے لیکن استادی۔ شاگردی کے فرق مراتب اور اس قسم کی شادی سے پیدا ہونے والی بدنامی کا اندیشہ ہے"۔

ٹین۔ "واقعہ یہ ہے کہ تمہارے آقا کو میرے شوہر کا شاگرد ہونے موقع نہیں ملا۔ اور دوسرے قریب کے رہنے والے سب غریب لوگ ہیں۔ ان سے تو کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔

موانعات کو اس طرح دُور ہوتے دیکھ کر نوکر نے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ اور آقا کی رضامندی حاصل کر کے اطلاع دینے کا وعدہ کیا۔ اُدھر ٹین کو کسی پہلو قرار نہ تھا۔ کئی مرتبہ وہ تابوت کے کمرہ کی طرف اس خیال سے گئی اور آئی کہ اس طرح شہزادے کے سامنے سے گزرنے کا موقع ملے۔ اور آتے جاتے دریچہ کے پاس اس خیال سے ٹھیری کہ شادی کے متعلق آقا اور نوکر کی گفتگو سنے۔ لیکن تابوت کے کمرے میں جب یہ پہنچی تو کسی کے غراٹے لینے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ ڈرتے ہوئے اس نے دل میں کہا "کیا مردہ زندہ تو نہیں ہو گیا" لیکن اس کا یہ اندیشہ بہت جلد دور ہو گیا جب اس نے روشنی میں شہزادے کے نوکر کو مخمور حالت میں نعش کے پاس لیٹا ہوا دیکھا مرحوم کی اس توہین پر وہ بہت برانگیختہ ہوتی پر بحالت موجودہ اس نے

انجان ہونا مناسب سمجھا۔ اور دوسرے روز اس بدعنوانی کا تذکرہ کیے بغیر ہی گفت گو کی۔ اس کے پرشوق سوال پر نوکر نے کہا اس کا آقا پیش کردہ دلائل کو قبول تو کرتا ہے لیکن ابھی تین ناموافق اتفاقات کی وجہ اس کو ابھی وقت شادی کرنے میں تامل ہے پہلے یہ کہ جنازے کے گھر میں رہتے ہوئے رواج کے موافق شادی کی رسم ادا نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ لائی شانگ کو اپنی بیوی سے بڑی محبت تھی۔ اور اب بھی متوفی کی غیر معمولی قابلیت کا گہرا اثر اپنے دل میں رکھتی ہیں۔ اس لیئے ڈر ہے کہ شاید آپ میرے آقا سے اس درجہ محبت نہ کر سکیں۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اس وقت اس کے پاس نہ اتنا روپیہ ہے نہ ایسے کپڑے ہیں کہ وہ نوشہ بن سکے۔"

بیوہ نے کہا۔ "یہ تینوں باتیں ہماری شادی میں رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتیں۔ گھر کے پچھواڑے میں تابوت منتقل کر دیا جائے گا۔ دوسری بات کے متعلق یہ کہنا ہے کہ اگرچہ متوفی ایک مستند عالم تھا۔ لیکن اس کی اخلاقی حالت اچھی نہ تھی۔ اس کی پہلی بیوی مر گئی۔ دوسری کو اس نے طلاق دیدی تھی۔ اور اپنی اس بیماری سے پندرہ روز پہلے وہ ایک بیوہ پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ ایسی صورت میں تمھارے آقا کے ساتھ مجھے زیادہ محبت کیوں نہ ہو گی۔ جبکہ وہ ماشاء اللہ نوجوان ہیں، خوبصورت ہیں اور پھر شہزادے ہیں۔ روپیہ کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں اس شادی کے اخراجات کی میں کفیل ہوں گی۔ یہ روپیوں کی تھیلی لیجاؤ اور کپڑوں میں لگاؤ۔ میری جانب سے شہزادے کو کہدینا کہ آج رات سے بہتر شادی کے لیئے کوئی اور تاریخ سعید نہیں۔"

تھیلی لیکر نوکر شہزادے کے پاس گیا۔ اور فوراً واپس آ کر

جواب دیا کہ شہزادے صاحب منظور کرتے ہیں اور ادائی رسم کے لیئے تیار ہیں۔

نین نے خوش خبری سنتے ہی ماتمی لباس اتار پھینکا اور فوراً خلعۂ عروسی زیب تن کر لیا۔ غازہ ملا۔ مسی لگائی اور نوکروں کو حکم دیا کہ جنازہ اٹھا کر پچھواڑے کے مکان میں رکھ دیں اور شادی کی تیاریاں کرنے لگی۔ خود مکان کو فرش فانوس سے آراستہ کیا۔ اور مقررہ وقت پر شہزادے کے استقبال کے لیئے تیار ہو گئی۔ شہزادہ تمغے لگائے زربفت کا خوش رنگ جوڑا پہنے آیا روشن ہیرے اور طلائی کندن کی طرح یہ دونوں عقد کی شمع کے سامنے حسن و محبت سے درخشان کھڑے تھے۔ ادائی رسم کے بعد شہزادہ دفور شوق کے ساتھ دلہن کو حجلۂ عروسی میں لیگیا پلنگ پر لیٹتے ہی شہزادے کے سینہ میں شدت کا درد شروع ہوا چہرہ بھیانک ہو گیا۔ روتے تڑپتے کھڑے ہو گئے اور زمین پر گر کر دونوں ہاتھوں سے سینہ پیٹنے لگا۔ نین تن غم سے دیوانی ہو گئی۔ کبھی اس کو گلے لگا لیتی اور کبھی سینہ سہلاتی۔ اس پر بھی تسکین نہ ہوئی۔ پھر بوڑھے خادم کو بلوایا۔ اور پوچھا۔

اس سے پہلے بھی کیا اس قسم کے دورے تمہارے آقا کو ہوئے ہیں ؟

نوکر۔ "اکثر ہوا کیے ہیں۔ اور حقیقت میں سوائے ایک چیز کے کوئی دوا کارگر نہیں ہوتی۔ یعنی خراب میں ابلا ہوا آدمی کا بھیجا۔ نستو میں جب اس قسم کے دورے ہوتے بادشاہ سلامت کسی آدمی کو قتل کرتے اور اس کا بھیجا استعمال کراتے۔ لیکن یہاں اس قسم کا علاج کیسے میسر ہو گا۔"

یمن: "کیا فطری موت مرے ہوئے آدمی کا بھیجا بھی کام دے سکتا ہے؟"

نوکر: "ہاں۔ اگر مرے ہوئے انتالیس دن نہ گزرے ہوں۔"

یمن: "پھر تو میرا متوفی شوہر کافی ہے۔ اس کو مرے ہوئے صرف بیس دن گزرے ہیں۔ اور تابوت کھولکر بھیجا نکالنا مشکل نہیں۔"

نوکر: "شہزادہ کے لیئے کیا تم یہ کام کروگی؟"

یمن: "شہزادہ اور میں میاں بیوی ہیں۔ اور بیوی کو ہر طرح شوہر کے کام آنا چاہیئے۔ نعش جب خاک ہو رہی ہے تو مجھے اس سے ہرگز خوف کھانا نہ چاہیئے۔"

یہ کہکر یمن نے نوکر کو شہزادے کی نگرانی کے لیئے چھوڑا اور خود کلہاڑی لیکر اس جھونپڑی کی طرف چلی جس میں نعش منتقل کی گئی تھی۔ چراغ بلند مقام پر رکھا۔ آستین چڑھا لیے۔ اور دانت بند کرکے تابوت کے ڈھکنے پر کلہاڑی ماری۔ مار پر مار پڑنے لگی اور اکتیسویں ضرب پر تختہ ٹوٹا۔ اور تابوت کھلتے ہی اس نے دیکھا کہ مردہ ایک بار سانس لیکر آنکھیں کھولا اور اٹھ بیٹھا۔ یمن کے خوف کی کچھ انتہا نہ رہی۔ چیخ مار کر پیچھے ہٹی اور اسکے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے کلہاڑی گر پڑی۔

"میری پیاری بیوی" شانگ نے ناتوان آواز میں کہا "ذرا مجھے ہاتھ دینا۔"

خوف کے مارے سوائے تعمیل کے یمن سے کچھ نہ ہو سکا۔ سنبھالکر تابوت سے باہر نکالا اور چراغ لیکر راستہ بتاتی اور سہارا دیتی چلی۔ دروازے کے قریب پہنچکر پیش ہونے والے منظر کے خیال سے لرزنے لگی۔ لیکن شہزادے اور اس کے ملازم کو کمرے میں نہ پایا تو موقع سے فائدہ اٹھاکر اس نے عورتوں کے فریب آمیز شیریں آواز میں کہنا شروع کیا "انتقال کے بعد سے صبح و شام آپ ہی کا خیال تھا۔ تھوڑی دیر پہلے تمہارے

تابوت سے آواز آئی۔ مجھے خیال ہوا کہ جس طرح قصوں میں بیان کیا گیا ہے کہ مردوں میں روح لوٹ آتی ہے شاید آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہو میں نے کلہاڑی سے تابوت کھولا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرا خیال درست نکلا"۔

شانگ "یہ تمھاری خوش پوشاکی کس تقریب میں ہے؟"

تین "جب تابوت کھولنے چلی تو مجھے خیال ہوا کہ میرے جسم پر تو ماتمی لباس ہے آپ دیکھیں گے تو خوش نہ ہوں گے۔ اس لیے گوارہ نہ کر سکی کہ آپ کا استقبال اس ماتمی لباس میں کروں"۔

شانگ "ایسی بات ہے تو خیر۔ لیکن یہ بتاؤ کہ میرا تابوت گھر میں رکھنے کے بجائے ویران جھونپڑی میں کیوں ڈال دیا گیا تھا"۔

تین کی نسوانی ذہانت اس سوال کا جواب نہ دے سکی۔ شانگ نے دلہا کے دسترخوان۔ شراب اور پیالیوں کو دیکھا لیکن کچھ نہیں کہا۔ بلکہ اپنے لیئے کچھ شراب گرم کرنے کے لیئے کہا۔ تین نے شراب گرم کرتے ہوئے تمام زنانہ نخرے صرف کر دیے کہ اس کا شوہر راضی ہو جائے لیکن وہ ان سب کو نفرت سے دیکھتا رہا۔

ایک آواز ہوئی۔ تین صحن کی طرف پلٹی تو دیکھا کہ شہزادہ اور اس کا ملازم دونوں کھڑے ہیں گھبرا کر شوہر کی طرف دیکھا تو وہ غائب تھا پھر فوراً صحن کی طرف دیکھا کہ شہزادہ معہ ملازم غائب۔ ادھر دیکھا تو شوہر پھر موجود۔

اب وہ حقیقت کو سمجھ گئی۔ شہزادہ اور نوکر شانگ سے کے ہیولے تھے جن کو اس نے جادو کے زور سے پیدا کیا تھا واقعات کی پردہ پوشی بیکار سمجھ کر تین نے کمر سے پٹکا کھولا اور ناٹ پر باندھ کر سولی دے لی۔ شانگ نے مکار عورت کا دم نکلتے ہی تابوت میں بند کیا۔ اور مکان کو

آگ لگا دی۔ سب کچھ جلکر خاک ہو گیا لیکن وہ نایاب کتابیں جو شا آنگ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ آگ ان کو جلا نہ سکی اور وہ ابتک ایک ہمسایہ کے ہاں محفوظ ہیں شا آنگ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مغرب کی طرف چلدیا۔ کہاں گیا خبر نہیں۔ لیکن اتنا یقینی ہے کہ اس نے اپنی باقی عمر دوسری شادی کئے بغیر گزار دی۔

کفّارہ

(از پو سنگ لنگ ۔ ۱۶۲۲ تا ۱۶۷۹ء)

پو سنگ لنگ شان ٹنگ میں پیدا ہوا۔ اس کے "چین کے قصّے" بہت مشہور ہیں۔ گو خود اس کو لوگ کم جانتے ہیں۔ چینی ادب میں یہ بڑا نقاد و اسالیب سمجھا جاتا ہے۔ چینی افسانوں کی ایک خصوصیت اس میں بھی موجود ہے۔ اصل کی خوبی زبان ایک حد تک ترجمے میں بھی منتقل ہو سکی ہے۔ چینی ہمیشہ قصوں میں اخلاقی سبق پوشیدہ رکھتے ہیں۔ مگر اس کمال کے ساتھ کے بدمزگی کے بجائے خوشگواری پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی چینی قصہ نگاروں کا طرہ امتیاز ہے۔ قصے کا ترجمہ پروفیسر گائیلس کے انگریزی ترجمہ سے کیا گیا ہے۔

چنگ۔ چنگ یو عالم کی حیثیت سے کافی شہرت رکھتا تھا۔ نچو ریا اسکا وطن تھا۔ جب وہ ایم اے کی ڈگری کے لیے امتحان میں مصروف تھا، اسکو خبر ملی کہ دارالخلافہ میں ایک مذہبی پیشوا رہتا ہے۔ جو بڑا روشنضمیر ہے، اور لوگوں کے مقدرات بیان کرتا ہے۔ چنگ یو کے دلمیں اس سے ملنے کی بڑی تمنا پیدا ہوئی۔ امتحان کے دوسرے حصے کے ختم کے بعد ہی ایک روز پائی تو چوان میں اتفاقاً اس مرشد سے اس کا سامنا ہو گیا۔ مرشد کی عمر کوئی ساٹھ برس سے اونچی ہی ہوگی۔ اس کی سفید داڑھی سینے پر لوٹتی رہتی تھی۔ اس کے اطراف لوگوں کا جم غفیر تھا، جو اس سے اپنی اپنی قسمت کا حال دریافت کر رہے تھے۔ بوڑھا ہر ایک کو مختصر جواب دیکر ٹالتا جا رہا تھا کہ اس کی نظر چنگ یو پر پڑی۔ وہ بڑی مسرت کے ساتھ اس کی طرف بڑھا۔ اور اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا "میاں تمھاری نیک دلی میرے جذبہ احترام کو ابھار رہی ہے"۔ اس کے بعد بوڑھا اسے ایک پردہ کی آڑ میں لے گیا۔ اور پوچھنے لگا کہ اپنی قسمت کے متعلق کچھ حالات دریافت کرنے کی اس کو خواہش ہے یا نہیں۔ چنگ یو نے اس کا جواب اثبات میں دیا۔ تب بوڑھے نے اسے معلوم کروایا کہ اس کا مستقبل کچھ درخشاں نہیں ہے۔ "تمھیں امتحان میں تو کامیابی نصیب ہو جائے گی لیکن جب خوش خوش گھر جاؤ گے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں ماں کے انتقال کا روزِ بد دیکھنا نہ پڑے"۔

چنگ بڑا ہی سعادت مند بیٹا تھا۔ جوں ہی بوڑھے کی زبان سے یہ الفاظ سنے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ امتحان میں کامیاب ہونے کی کوشش کرنے کے بغیر وہ گھر واپس چلا جائیگا۔ بوڑھے مرشد نے سمجھایا کہ اگر اس دفعہ وہ کامیابی کے موقع کو ہاتھ سے کھو دیگا تو تو پھر اس کی نوبت ہی نہ آئیگی۔ چنگ نے اس کے جواب میں کہا کہ ماں کا

آخری دیدار نہ ہو تو اسکا موقع بھی پھر کہاں مل سکیگا۔ اگر یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہے تو بڑے سے بڑے عہدہ کی دستیابی بھی اسکی تلافی نہیں کر سکیگی۔" "اچھا تو سنو" مرشد نے کہا "میں اور تم اگلے جنم میں دوست رہ چکے ہیں اسلیے تمہاری مدد مجھ پر فرض ہے۔" یہ کہکر اسنے اپنے پاس سے ایک گولی نکالی۔ اور اسکو دیکر کہا کہ اگر تم اسکو بسرعت تمام ماں تک پہنچا سکو تو اس سے اسکی زندگی سات دن تک اور بڑھ جائیگی تم اطمینان سے امتحان سے نبٹ کر ماں کے پاس پہنچ سکتے ہو۔ چنگ نے گولی تو لے لی۔ مگر مغموم رہا ہوا۔ آخر کار اسنے سوچا کہ انسانی زندگی قسمت کا کھیل ہے۔ جسقدر زیادہ دن وہ ماں کی خدمت میں رہ سکے اسکی سعادت ہے۔ اس خیال کے آتے ہی وہ چلنے پر تیار ہو گیا۔ اور ایک خچر کو اجرت پر ٹھہرا کر چل پڑا۔ آدھا میل بمشکل چلا ہوگا کہ شریر خچر نے گھر کی راہ لی۔ چنگ نے روکنے کیلیے کچھ تھپیاں رسید کیں تو وہ بھڑکا اور راکب کو زمین پر پٹک کر فرار ہو گیا۔ چنگ پسینے میں ڈوب رہا تھا۔ ملازم نے یہیں ٹھیر جانے کی صلاح دی۔ مگر وہ کب ماننے والا تھا۔ فوراً دوسرا خچر ٹھیرا سوار ہو کر گھر کی طرف روانہ ہوا لیکن بدنصیبی سے اس نے بھی وہی شرارت اختیار کی۔ آفتاب پہاڑیوں کے پیچھے غروب ہو رہا تھا۔ ملازم نے جی کڑا کرکے پھر یہی التجا کی کہ حضور اب تو گھر جانے کا قصد ترک فرمائیں۔ اور امتحان ختم کرلیں وہ بھی گھر لوٹ چلا۔ چنگ کے لیے سوائے تعمیل کے اور کیا چارہ کار تھا۔

دوسرے دن امتحان کا آخری پرچہ تھا جس کی تکمیل اس نے جوں توں کی۔ اور گھر کی راہ لی۔ راستہ میں نہ تو آرام کیلیے ٹھیرتا اور نہ کھانے پینے کے لیے۔ رات بھر کی طے مسافت کے بعد وہ گھر پہنچا۔ حقیقتاً ماں کا برا حال تھا۔ لیکن مرشد کی گولی نے اتنا اثر کیا کہ اسکو افاقہ ہو گیا۔ اس نے بیٹے کا ہاتھ تھام کر اس کو رونے سے باز رکھا۔ اور کہا کہ اس نے ابھی ابھی خواب دیکھا ہے کہ وہ عالم بالا کو پہنچائی گئی۔ جہاں دوزخ کے کارفرما نے ہنسکر یہ کہتے ہوئے اسکو واپس کردیا کہ تیرا نامہ اعمال صاف ہے اور تیرے بیٹے کی فرزندانہ محبت کی نیکی کے سبب

تجھ کو مزید بارہ سال کی عمر بخشی جاتی ہے۔ چنگ کو اسکی جو خوشی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ ماں پہلی سی بھلی چنگی ہو گئی۔

اس واقعہ کو ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ادھر سے خبر ملی کہ چنگ امتحان میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس نے ماں کو خیر باد کہا۔ اور دارالخلافہ پہنچکر شاہی محل کے خواجہ سراؤں کو رشوت دی کہ وہ جاکر مرشد کو اس کے آنیکی اطلاع کر دیں۔ مرشد کو یہ سنکر بڑی خوشی ہوئی۔ اور وہ فوراً باہر آیا۔ چنگ نے ادب سے اسکے قدم چومے۔ مرشد نے کہا "یہ بھی خوب تعریف تمھاری ہے کہ میری تمھاری نیکیوں نے تمھاری ماں کی حیات بخشی کی۔ میرا اس میں کیا حصہ ہے"۔ چنگ کو اس پر بڑا تعجب ہوا کہ گھر کے تمام واقعات مرشد کو معلوم ہو چکے ہیں۔ پھر اس نے اپنے مستقبل کے متعلق اس سے سوال کیا۔ "تم کبھی بلند رتبہ حاصل نہ کر سکو گے" مرشد نے کہا۔ "لیکن تم اسّی برس سے پہلے نہ مرو گے۔ پچھلے جنم میں تم اور میں ایک دفعہ سفر کر رہے تھے کہ تم نے ایک پتھر اٹھا کر کتے کے سر پر مارا تھا۔ جس سے ایک غریب مینڈک کی جان ضائع ہو گئی۔ وہی مینڈک اب مچھر کے جون میں نمودار ہوا ہے۔ از روئے قاعدہ تم کو اپنی خطا کی سزا ملنی ضروری ہے۔ لیکن تمھاری نیکو کاری اور محبت مادری نے خداوند تعالیٰ کو بیحد متاثر کیا۔ تمھارے زائچہ میں ایک طالع نیک آگیا ہے۔ جس سے تمھارے نقصانات کا سد باب ہو رہا ہے اب تمھاری بیوی کے متعلق سنو وہ پچھلے جنم میں ایسی نیک نہیں تھی جیسی کہ ہونی چاہیے۔ چنانچہ اسکے لیے یہ سزا تقدیر کی گئی تھی کہ وہ نوعمری ہی میں رنڈاپے کی مصیبت جھیلے۔ لیکن چونکہ تم نے اپنی نیکیوں کی بدولت اپنی عمر بخشوائی ہے۔ اسلیے مجھے ڈر ہے کہ عنقریب تمھاری بی بی اپنی موت سے اپنے گزشتہ گناہوں کا کفارہ ادا کرنے پر مجبور ہو گی"۔ چنگ کا دل اس پر بہت مغموم ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے مرشد سے پوچھا کہ میرے دوسری بیوی کہاں ہو گی۔ مرشد نے

جواب دیا" یہ چینگ چاؤ میں ہے۔ جہاں یہ اپنی عمر کا چودھواں سال پورا کر رہی ہے۔" اس گفتگو کے بعد مرشد چینگ سے جدا ہو کر چلنے لگا۔ جاتے ہوئے اس نے کہدیا کہ اگر اس پر کوئی آفت نازل ہو تو وہ جنوب مشرق کی راہ لے۔

اسکے ایک سال بعد چینگ کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ کچھ دن بعد ماں نے اسکو چچا کے پاس بھیجا۔ جو گیانگی میں مجسٹریٹ تھا۔ اس سفر میں اسکو چینگ چاؤ سے لامحالہ گزرنا پڑتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بوڑھے مرشد کی پیشین گوئی پوری ہونے کی یہ علامتیں ہیں جب وہ روانہ ہوا' اسکا گزر ایک شہر میں ہوا جو لب دریا آباد تھا۔ یہاں کسی تماشہ کو دیکھنے کی غرض سے شہر کا شہر اُمڈ آیا تھا۔ اس پر بھی چینگ خاموش راہ طے کر لیتا' لیکن شومی قسمت دیکھیے کہ ایک بھٹکا ہوا خچر اسکے پیچھے پیچھے اور نہایت قریب چلنے لگا۔ غصہ میں آکر چینگ نے ایک ڈنڈا اسکے کانوں پر رسید کیا۔ وہ تلملاتا ہوا بھاگا اور جا کر ایک بچے کو ٹکر دی جو لب دریا اپنی دایہ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہوا خوری کر رہا تھا۔ ملازمین کے دوڑ کر سنبھالنے تک لڑکا دریا میں اوندھے منہ گر پڑا۔ فوراً ایک شور برپا ہوا۔ اور لوگ چینگ کے پیچھے دوڑے کہ "لیجو لیجو! خبردار! جانے نہ پلیئے۔" غریب چینگ مارے خوف کے بگٹٹ بھاگا۔ اسے مرشد کی نصیحت یاد تھی۔ اسلیئے اس نے اپنے خچر کا رخ جنوب مشرق کی طرف پھیر دیا۔ کوئی سات میل چلنے کے بعد ایک پہاڑی گاؤں ملا۔ ایک مکان چینگ کو نظر آیا جسکے دروازے میں ایک بوڑھا کھڑا ہوا تھا۔ چینگ خچر کی پیٹھ سے کود پڑا۔ اور اس پیر مرد کے سامنے جھک کر آداب بجا لایا۔ اس پر پیر مرد نے اسکو مکان کے اندر بلایا۔ اور نام اور مقام دریافت کیا۔ چینگ نے جواب میں اپنا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ "ڈرو نہیں" پیر مرد نے فرمایا "جبتک میرا آدمی جاکر حالات سے واقف ہو کر نہ آئے۔ تم اطمینان سے بیٹھے رہو۔" شام کے قریب قاصد واپس ہوا۔ اب معلوم ہوا کہ لڑکا ایک متمول

آدمی کا ہے۔ پیر مرد ذرا متشوش ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ "اگر کوئی اور ہوتا تو مضائقہ نہ تھا، لیکن بحالت موجودہ میں مجبور ہوں۔" چینگ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ حواس باختہ ہو گیا۔ تاہم پیر مرد نے تشفی دلائی کہ رات تو یہیں گزارو۔ صبح تک دیکھو کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ مارے پریشانی کے چینگ کی پلک سے پلک تک نہیں ہم خبر لی کہ کانسٹیبل اس کی تلاش کر رہا ہے جو شخص اس کو چھپا تا وہ گردن زدنی ٹھہرتا۔ پیر مرد بھی تشویش میں تھا۔ آدھی رات کے قریب وہ چینگ کے کمرے میں آیا۔ اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کر کے پوچھا کہ اس کی بی بی کی عمر کیا ہو گی۔ چینگ نے جواب دیا کہ وہ رنڈوا ہے۔ اس پر پیر مرد ذرا خوش ہوتا نظر آیا اس نے کہا کہ ممکن ہے کہ اب اس کی کچھ مدد ہو سکے۔ "کیونکہ" اس نے سمجھانا شروع کیا "میری بہن کے شوہر نے دنیا کو ترک کر کے ارشاد ہدایت کے پیشہ کو اختیار کیا ہے۔ خود میری بہن کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس کی ایک لڑکی ہے، جس کا کوئی سرپرست نہیں۔ اگر تم اس سے بیاہ کر لو. . . . . ." چینگ کو یہ سنکر خوشی تو ہوئی کیونکہ ایک طرف تو مرشد کی پیشین گوئی پوری ہوتی تھی۔ دوسری طرف اس موجودہ مصیبت سے نجات کی بھی یہی ایک صورت تھی۔ تاہم اس نے غمگین چہرہ بنا کر کہا کہ اس واقعہ کہیں اس کی بیوی کے ماموں پر آنچ نہ آئے۔" اس کی تم فکر نہ کرو" پیر مرد نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "میری بہن کا شوہر جادو میں ید طولی رکھتا ہے۔ گو اس نے اب دنیا پر لات مار دی ہے۔ لیکن تم شادی کے بعد میری بھانجی سے اس میں مشورہ کر سکتے ہو۔"

اس طرح چنگ نے اس نوعمر لڑکی سے بیاہ کیا۔ جس کی عمر اس وقت سولہ سال کی تھی اور بڑی حسین تھی۔ لیکن چنگ نے جب کبھی اس کی طرف نظر اٹھائی، اس نے قصداً ایک سرد آہ بھری۔ لڑکی اس معمے سے بے خبر سوچنے لگی کہ اس وقت اس رنج کا کون موقع ہے۔ آخر اس سے نہ رہا گیا۔ وہ کہنے لگی "میں بدصورت سہی، لیکن اتنی بے صبری بھی کیا تھی کہ ابھی مجھ پر ظاہر کر دیتے،" چنگ نے معذرت چاہی۔ اور کہا کہ یہ تو میری خوش نصیبی تھی جو تم جیسی ماہ پارہ مجھے مل گئیں۔ میرا رنج تو کسی اور ہی سبب ہے۔ جو شاید ہم کو ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے جدا کر دے۔" پھر اس نے تمام ماجرا اس سے کہہ سنایا اس پردہ مہ جبین مارے غصے کے پیچ و تاب کھانے لگی کہ اس کو مطلع کیے بغیر اس بلا میں کیوں پھنسایا گیا۔ چنگ نے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اور التجا کرنے لگا کہ میں نے یہ تمام حالات تمہارے ماموں سے پہلے ہی کہہ دیئے تھے۔ وہ کرنا تو بہت کچھ چاہتا تھا لیکن مجبوری نے اس کے ہاتھ پیر باندھ رکھے ہیں۔ پھر اس نے یہ بتلایا کہ وہ اس کی تمام قوتوں سے واقف ہے۔ اگر صرف اس بلا سے نجات مل جائے تو بیوی کو اس رشتہ پر ناک بھوں چڑھانے کی گنجائش نہیں رہیگی۔ شوہر کی التجا سے نوجوان لڑکی کا دل پسیجا۔ لیکن اس نے اس وقت کا بھی ذکر کر دیا کہ باپ سے مدد ملنی امر محال ہے۔ کیونکہ وہ عرصے سے تارک الدنیا ہے۔ اور اب تو اس کو اپنی بیٹی بھی نہیں سمجھتا۔ رات بھر دونوں جاگتے رہے اور اپنے زانوؤں پر منہ لپیٹ کر کپڑوں میں چھپا دیا۔ پھر وہ روانہ ہوئے۔ اور پہاڑی دشوار گزار راستوں کو طے کرنے لگے

چنگ نے بڑی مشکل سے بیوی کو پہاڑ کی چوٹی تک پہنچایا۔ اب وہ مندر کے دروازے پر تھے۔ دونوں آرام لینے کے لیے بیٹھ گئے نوعمر لڑکی تھک گئی تھی اور اس کے چہرے کا غازہ پسینہ کیساتھ ٹپک رہا تھا۔ چنگ عذر خواہ ہوا کہ یہ زحمت اس کو اپنی ہی وجہ سے برداشت کرنی پڑی۔ لڑکی نے کہا کہ یہ تکلیف اپنی مصیبت کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ اس کے بعد وہ مندر میں داخل ہوئے اور آخری دیوار تک پہنچکر انھوں نے دیکھا کہ لڑکی کا باپ دھیان میں مستغرق بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے پہلو میں ایک ملازم لڑکا مورچل لیئے کھڑا ہے۔ یہاں کی ہر چیز صاف ستھری تھی۔ لیکن ممبر کے قریب تیز پتھر چاروں طرف اس طرح بچھے ہوئے تھے جیسے آسمان پر ستارے۔ لڑکی نے اس سے بہتر موقع نہ دیکھا۔ اور فوراً گھٹنوں کے بل کھڑی ہو گئی۔ چنگ بھی اس کے پیچھے اسی طرح کھڑا ہو گیا۔ باپ نے آنکھیں کھولیں۔ مگر پھر بند کر لیں۔ یہ دیکھ کر نوعمر لڑکی نے کہا "عرصے میں آپ کی قدمبوسی نہ کر سکی تھی۔ اب میرا بیاہ ہو گیا ہے۔ اپنے شوہر کو آپ کی بارگاہ میں لائی ہوں"۔ بڑی دیر کے بعد باپ نے پھر آنکھیں کھولیں۔ اور کہا "تم بڑی تکلیف پہنچا رہی ہو"۔ پھر وہی خاموشی طاری ہو گئی۔ شوہر اور بیوی دونوں اسی طرح اڑے رہے۔ حتیٰ کہ پتھر انکی ہڈیوں میں گھستے معلوم ہونے لگے۔ تھوڑی دیر بعد باپ نے چلا کر کہا "کیا چیز چاہتے ہو"۔ بیٹی نے نفی میں جواب دیا۔ حکم ملا کہ فوراً لاؤ۔ تعمیل کی گئی۔ مگر اس کے معنی سمجھ میں نہ آسکے۔

کچھ دنوں تک اور چھپے رہنے کے بعد یکایک معلوم ہوا کہ بچے کا قاتل گرفتار ہوا اور اس کی گردن مار دی گئی۔ ابھی وہ یہی تجویز کی کامیابی

ہر ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے کہ ملازم ہاتھ میں ایک لکڑی لئے ہوئے داخل ہوا۔ لکڑی کا سرا کٹا ہوا تھا: "یہی چھڑی ہے، جو تمھارے کفارے میں ماردی گئی" ملازم نے کہا: "اس کو احترام کے ساتھ دفن کرو۔ تاکہ درخت کو جو نقصان پہنچایا گیا ہے اس کی کچھ تو تلافی ہو جائے۔"

چنگ نے دیکھا کہ لکڑی کا حصہ جہاں سے کٹا تھا، وہاں خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ اس لیئے اس نے اس لکڑی کو بڑے احترام اور پوری رسومات کے ساتھ دفنایا۔ اور اپنی دلہن کو لیکر گھر واپس ہوا۔

جاپانی قصے

تمہید

جاپان میں ادبیات العالیہ کی پیدائش مقابلتہً بعد میں ہوئی۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں (۱۲ء۷ کے قریب) جاپان کی سب سے پہلی اہم تصنیف لکھی گئی۔ یہ جاپان کے معزز خاندانوں کی تاریخ ہے جو "کوجی کی" کے نام سے موسوم کی گئی۔ اس کے معنے "قدما کے حالات کی تاریخ" کے ہیں۔ بعض نقادوں کا خیال ہے کہ جاپانی ادب کی پیدائش کا شمار "نی ہانگی" کی تصنیف سے ہونا چاہئے۔ یہ جاپان کی ایک تاریخ ہے۔ جو "کوجی کی" کے آٹھ سال بعد لکھی گئی تھی۔

"کوجی کی" قدیم جاپانی زبان میں لکھی گئی ہے۔ اور "نی ہانگی" کی زبان چینی ادبیات العالیہ کی زبان ہے۔ جاپان میں پہلے تو قدیم جاپانی زبان کا رواج تھا، جو موجودہ زبان سے بہت زیادہ متغیر نہیں ہے۔ لیکن جب جاپان چین کے تمدنی اثر میں آگیا، تو قدیم جاپانی کی جگہ چینی نے لے لی اور اپنا تسلط سترھویں صدی تک جمائے رہی۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں موتوری نے چالیس پر چار جلدوں میں "کوجی کی" شرح لکھی۔ اس سلسلہ کے متعلق چیمبر لین کا خیال ہے کہ "یہ جاپانی کارناموں میں باعث افتخار ہے"۔

گیارھویں صدی کے آغاز میں فیوجی وارا نسل کی ایک مصنف خاتون مراساکی نوشکی بو نے پہلا جاپانی ناول لکھا۔ جس کا نام "گینجی مانوگاتری" ہے۔ یہ درحقیقت معاصرانہ حالات سے متعلق ایک رزمیہ نثری کارنامہ ہے۔ گیارھویں صدی سے پندرھویں صدی عیسوی تک جاپانی ادب زیادہ زرخیز نہیں رہا۔ صرف شاعری میں دو چار چیزیں قابل ذکر ہیں۔ "صد قصائد مصنفہ یکصد شعرا" (تیرھویں صدی) "اکیس عہدوں کے انتخابات نظم" (جو گیارھویں اور پندرھویں صدی کے درمیان مرتب ہوئی)۔ اس دور کی یہی ادبیات العالیہ ہے۔

اسوقت تک جاپانی مصنفین کی شہرت جزیرہ سے بہت کم باہر نکل سکی تھی۔ لیکن کیو کوئی باکن (۱۷۶۷ء تا ۱۸۴۸ء) اور شیکیتی نمیا (۱۷۷۵ء تا ۱۸۲۲ء) سب سے پہلے جاپانی ہیں جن کی تصنیفات کی شہرت یورپ اور دیگر ممالک تک پہنچی۔ یہ دونوں افسانہ نگاری کے فن میں کمال رکھتے ہیں۔ انھوں نے جاپان کی معاشرت مروجہ پر نفیس قصے لکھے۔ لیکن ان کے قصے طولانی ہوتے تھے۔ اس لیے اس مجموعہ میں ہم نے ان سے تعرض نہیں کیا ہے۔

جاپان کی ادبیات خصوصاً افسانہ نگاری کا ذکر کرتے ہوئے ہم لوفکیڈیو ہیرن کا نام کبھی نہیں بھول سکتے، جس نے جاپان کو مغرب سے روشناس کرنے میں خاص جدوجہد کی۔ لوفکیاڈیو ہیرن نے جاپانی زبان کی دلچسپ کہانیوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے

ایسے قصے، جاپانی زبان میں بے حد ہیں، لیکن ان کی حقیقت زیادہ تر کہانیوں کی ہے۔

سترھویں صدی عیسوی اور اٹھارھویں صدی کی ابتدا کا زمانہ بعض نقادوں کے خیال کے موافق، جاپانی ادبیات کا سنہری دور ہے ناول اور ڈراما کا اس دور میں خوب نشو و نما ہوا۔ لیکن جہاں تک مختصر قصوں کا تعلق ہے، یہ دور بھی خالی ہے۔ "جان نثار" کا قصہ جو اس مجموعہ میں شامل ہے قصے کی حیثیت سے نہیں لکھا گیا بلکہ یہ تاریخ کا ایک واقعہ ہے۔

موجودہ دور، جاپانی مختصر قصہ نویسی کا نمایاں دور ہے۔ روس و جاپانی جنگ کے بعد سے، جب مغربی اثرات سے جاپانی ادب اچھی طرح متاثر ہونے لگا ہے، مصنفین نے مختصر قصوں کی طرف بھی توجہ کی۔ اور اس صنف ادب میں خاصہ قابل قدر مواد جمع کر دیا ہے۔

جانِ نثار

(مصنف نامعلوم ابتدائی اٹھارویں صدی)

ذیل کا قصہ جاپان کی تاریخ کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے۔ یہ ۱۷۰۳ء میں وقوع پذیر ہوا تھا جس کے کچھ مہینے بعد ہی یہ ایک ناٹک کا موضوع بنا۔ اس صدی کے وسط تک تو اس بنا پر بیسوں نظمیں، ناٹک اور افسانے لکھ دیئے گئے۔

ذیل کا قصہ متفرد کے مجموعہ "قدیم جاپان کے قصے" سے ترجمہ کیا جا رہا ہے جو افتخار الدین اور میر خواجہ محمد معین الدین نے کیا۔

اٹھارویں صدی عیسوی کی ابتدا میں صوبہ ہریما میں آساتو ٹاکومی نوکامی نامی آکو قلعہ کا مالک ایک جاگیردار رہتا تھا اور جاپان کے ایک معزز خاندان کا بزرگ گنا جاتا تھا۔ ایک روز عدالت میکاڈو کی طرف سے ایک شاہی سفیر شوگان ضلع آئیڈو روانہ کیا گیا۔ ٹاکومی نوکامی اور کامی ساما دو جاگیردار شاہی سفیر کے استقبال اور ضیافت کے لیئے مقرر کیئے گیے اور ایک اعلیٰ عہدہ دار کوتسکی نوسکے شاہی آداب اور موقع کے مناسب ادائی رسم کے طریقے سکھانے کی خدمت پر مقرر کیا گیا۔

دونوں جاگیردار نوسکے کے مکان پر جانے اور روزانہ ہدایات حاصل کرنے پر مجبور کئے گئے تھے۔ نوسکے روپیہ کا بڑا دلدادہ تھا اور جب اس کو معلوم ہوا کہ جو تحائف یہ دونوں جاگردار تعلیم ادب کے صلہ میں پیش کرنے والے ہیں کم قیمت اور معمولی ہیں تو اس نے تحقیر آمیز برتاؤ شروع کردیا۔ اور تدریس میں خاص دلچسپی لینی بھی ترک کردی۔ بلکہ مذاق اڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ ٹاکومی تعمیل احکام کی تحت صبر کے ساتھ جھڑکیوں کو سہ لیتا۔ لیکن کامی ساما جس کو اپنی طبیعت پر قابو نہ تھا۔ بہت جلد برافروختہ ہوجاتا اور بعض وقت نوسکے کو قتل کردینے کا ارادہ کرلیتا۔

ایک رات نوسکے کے مکان سے واپس ہوکر کامی ساما اپنے محل کو گیا۔ اور فوراً اپنے مشیران قانونی کو طلب کرکے کہا "ہم احکام شاہی کی تعمیل میں نوسکے کے پاس جایا کرتے ہیں۔ لیکن وہ ہماری تذلیل کرتا ہے جو ہماری وضعداری کے خلاف ہے اس لیئے میں نے ارادہ کرلیا

تھا کہ وہیں اس کو مار کر رکھدوں۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا۔ اگر اس کے مکان پر ایسا کر بیٹھوں تو نہ صرف میں بلکہ میرا سارا خاندان قتل کر دیا جائیگا اس لیئے میں نے ہاتھ روک لیا۔ اب بھی وہ اپنی طبیعت سے باز نہیں آتا۔ اور غریبوں پر ظلم کیا کرتا ہے۔ اس لیئے میں نے ٹھان لی ہے کہ کل جب وہ عدالت میں ملے تو اس کو قتل کر دوں چاہے کچھ ہی ہو جائے۔

جس وقت یہ الفاظ اس کی زبان سے نکل رہے تھے چہرہ غصہ سے لال ہو رہا تھا۔ کامی ساما کے مشیروں میں ایک بڑا فریس اور موقع شناس تھا۔ جب اس نے جاگیر دار صاحب کی حرکات سے سمجھ لیا کہ اس وقت صلاح و مشورہ فضول ہے۔ تو ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا "سرکار جو فرمائیں وہی قانون ہے۔ خانہ زاد ارشاد کے مطابق تمام اہتمام کرے گا۔ اور کل جب سرکار عدالت تشریف لیجلیں اور کوشکی نوسکے کی جانب سے وہی ذلت آمیز برتاؤ ہو تو سرکار وہیں اس کا خاتمہ کر دیں"

مشیر قانونی کی ہمزبانی سے جاگیر دار صاحب بہت خوش ہو گئے اور طلوع آفتاب کا بہت بےچینی سے انتظار کرنے لگے" ادھر مشیر گھر گیا لیکن پریشان تھا کہ کیا کرے۔ جاگیر دار صاحب کے ارشاد پر بہت دیر تک غور کرتا رہا۔ ہزاروں نقشے بناتا اور بگاڑ دالے آخر میں خیال آیا۔ کہ کوشکی نوسکے جب بخل اور دولت پرستی میں اتنا مشہور ہے تو رشوت ضرور لیتا ہوگا۔ اس لیئے یہی مناسب ہے کہ اپنے آقا اور اس کے خاندان کو بربادی سے بچانے کے لیئے روپیہ کی صورت نہ دیکھے بلکہ جتنا روپیہ لگے خرچ کر ڈالے۔ بس روپیہ فراہم کر۔ نوکروں کے سر پر دے۔ راتوں رات کوشکی نوسکے کے مکان پر

پہنچ گیا۔ دربانوں نے گھسنے نہ دیا تو کہا "میرا آقا جو فرمان شاہی کی
بنا پر آداب سیکھنے کے لیے یہاں آتا ہے یہ تحفہ (کشتیوں کی طرف بتا کر)
بطور شکریہ کے کوشکی نوسکے کی خدمت میں بھیجا ہے۔ کیونکہ انھوں
نے استقبال وغیرہ کے موقعوں کے شاہی آداب سکھانے میں خاصی
محنت کی ہے۔ گو یہ تحفہ ان کی شایان شان تو نہیں لیکن توقع ہے
کہ تمھارے سرکار اس کو قبول کر لینگے" یہ کہکر اس نے کشتیاں اتار دیں
اور ایک چھوٹی کشتی دکھا کر کہا کہ اس میں خادموں اور دربانوں
کا انعام ہے۔

رقم دیکھتے ہی دربانوں کی باچھیں کھل گئیں۔ دوڑے ہوئے
مالک کے پاس گئے اور اس کو سوتے سے جگایا اور کامی ساما کے
گرانقدر تحفہ اور انکسارانہ التجا کی فوراً اطلاع دی۔ کوشکی نوسکی پھولا نہ
سمایا۔ مشیر کو فوراً اپنی خوابگاہ میں بلوالیا۔ اور اظہار شکریہ کے بعد
خاص دلچسپی سے آداب کے مختلف طریقے سکھانے کا وعدہ کیا۔
مشیر اپنی تدبیر کارگر ہونے پر دل ہی دل میں خوش تھا۔ اور رخصت
ہو کر حوصلہ افزا خیالات کے ساتھ گھر لوٹا۔ ادھر کامی ساما رات
بھر اپنی آتش غیظ و غضب کو بھڑکاتا رہا۔ اور صبح ہوتے ہی ایک
خاموش جلوس کے ساتھ عدالت پہنچا۔

جب ملاقات ہوئی تو کوشکی نوسکے کے اخلاق میں بیّن فرق
ہو گیا تھا۔ اس نے نہایت لجاجت سے پوچھا "عالیجناب آج
بہت جلد تشریف لائے ہیں۔ حصول علم میں آپ کی اس دلچسپی
کو میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی
اگر آج آپ آداب کے نکات کو ذرا غور اور توجہ سے سنیں۔ مجھے
معاف فرمائیے کیونکہ میں نے اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر آج تک

بہت سختی کے ساتھ برتاؤ کیا ہے مجھے امید ہے کہ عالیجناب ضرور معاف فرمائینگے"۔ جب وہ انکساری سے ملنے اور میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگا تو کامی ساما کا دل آہستہ آہستہ پسیجتا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے قتل کا ارادہ تک ترک کر دیا۔ اس طرح وفادار نوکر کی چالاکی سے کامی ساما اور اس کا خاندان تباہی سے بچ گیا۔

اس واقعہ کے چند ہی روز بعد ٹاکومی جس نے کوئی تحفہ نہیں بھیجا تھا۔ ایک روز تنہا کوٹسکی کے مکان پر گیا۔ کوٹسکی جو پہلے ہی سے بھرا بیٹھا تھا۔ اس پر برس پڑا اور تحقیر آمیز الفاظ کہے۔ ٹاکومی نے عادتاً ان کی کچھ پروا نہ کی۔ اور نہایت صبر سے احکام کی تعمیل کرتا رہا۔ یہ روش بجائے اس کے کہ کوئی اچھا نتیجہ پیدا کرتی۔ الٹا اثر کر گئی۔ یہاں تک کہ ایک روز اس نے تحکمانہ انداز میں کہا "ٹاکومی میرے جوتے کے فیتے ڈھیلے ہو گئے ہیں ذرا ان کو تنگ باندھ دو" ٹاکومی تو غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا تھا۔ لیکن ملازمت میں ہونے کی وجہ سے تعمیل کو فرض سمجھا۔ اور بلا پس و پیش ڈوریاں باندھ دیں۔ اس پر بھی کوٹسکی نے پیر جھٹک کر کہا "کیسے بدتہذیب ہو۔ تمہیں جوتے کے ڈوریاں تک باندھنی نہیں آتیں۔ صورت سے تو بڑے مقدس معلوم ہوتے ہو لیکن تم ایدو کے اخلاق سے بالکل نابلد ہو"۔ یہ کہتا ہوا اور ہنسی اڑاتا ہوا کمرے کی طرف چلا گیا۔

ٹاکومی کے صبر و تحمل کا ساغر لبریز ہو چکا تھا۔ اور یہ آخری ذلت ناقابل برداشت تھی اس لئے بگڑ کر کہا "ٹھہر جائے"۔ کوٹسکی رکا اور پلٹتے ہوئے پوچھا "کیوں؟ کیا ہے؟" ٹاکومی نے پھرتی سے پیش قبض نکالی اور اس کے سر پر وار کیا۔ لیکن عدالت کی موٹی ٹوپی پہنے ہوئے ہونے کی وجہ سے سر میں کاری زخم نہ آیا۔ معمولی سی خراش

اگر رہ گئی۔ اور کوشکی جان بچا کر بھاگا۔ ٹاکومی نے پیچھا کیا اور اس کا خاتمہ کر دینے کی دوبارہ کوشش کی۔ لیکن پیش قبض پیٹ میں لگ کر رہ گئی۔ اتنے میں کاجی کاوا یوسوبی نامی سردار نے بیچ بچاؤ کر کے غصہ بے آلودہ ٹاکومی کو پیچھے سے پکڑ لیا اور کوشکی کو بھاگ نکلنے کا کافی موقع مل گیا۔

اس کے بعد وہاں ایک تہلکہ مچ گیا۔ ٹاکومی کو ہتیار چھین کر گرفتار کر لیا گیا۔ اور مکان کے ایک کمرے میں مسلح سپاہیوں کے پہرے کے ساتھ قید کر دیا گیا۔ ایک مجلس مقرر ہوئی اور قیدی کو تاموراایوکیو ٹو ہیو کی ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ ضامن نے اس کو اپنے مکان میں بیوی بچوں اور عزیز و اقارب سے صرف تبادلہ غم کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ جب مجلس کے اجلاس ختم ہو گئے تو فیصلہ سنایا گیا "چونکہ ٹاکومی نے غصہ میں آپے سے باہر ہو کر دوسرے شخص پر اُس کے مکان میں گھس کر حملہ کیا ہے اس لیے قانوناً اس کو ہاراکیری کر لینا چاہیے (یعنی خنجر سے خودکشی کر لے) ساری جائداد مسمار اور بال بچے تباہ کر دیے جائیں۔" یہ قانون تھا اور اسی کے مطابق ٹاکومی نو کامی کو ہاراکیری کرنی پڑی اس کا آکو والا محل مسمار کر دیا گیا۔ اور اس کے ملازمین کو اجازت دیدی گئی کہ یا تو وہ دوسری جگہ ملازمت کر لیں یا تجارت کریں۔

ان ملازمین میں ایک مشیر اعظم بھی تھا جس کا نام اوشی کرانوسکی تھا۔ یہ دیگر چھیالیس ملازمین کو لیکر اپنے مالک کا بدلہ لینے اور کوشکی کو قتل کرنے کے ارادہ سے نکلا۔ اوشی کرانوسکی اس واقعہ کے وقت آکو کے محل میں موجود نہیں تھا۔ اگر وہ اپنے مالک کے ساتھ رہتا تو کبھی ایسی غلطی سرزد نہ ہوتی۔ اور سمجھدار ہونے کی وجہ سے

وہ بھی ضرور تحائف کا انتظام کرتا۔ اور یہاں تک نوبت نہ پہنچتی۔

بہر حال اوشی اور اس کے چھیالیس ساتھیوں نے ملکر کوشکی سے بدلا لینے کے لیئے جال بچھانا شروع کیا۔ لیکن کوشکی اپنے خسر یوسر کی ساما کے مقرر کیئے ہوئے مسلح جوانوں کی حفاظت میں تھا پہرہ باضابطہ تھا۔ اور حصول مقصد محال نظر آتا تھا۔ اس لیئے یہ لوگ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے اور بھیس بدل کر کوئی بڑھائی بن گیا اور کوئی تاجر۔ اور ان کا سردار اوشی کیوٹو کو چلا آیا، محلہ یاماشینہ میں ایک مکان تعمیر کیا۔ اور ذلیل اور بدمعاش لوگوں کی صحبت اختیار کرلی۔ اور شراب خواری اور زناکاری کے لیئے اپنے آپ کو وقف کردیا۔ تاکہ عام طور پر مشہور ہوجائے کہ اس نے بدلہ لینے کا خیال ترک کردیا ہے۔ ادھر کوشکی نے اس خیال سے کہ ٹاکومی کے ملازمین بدلہ لینے کی تدابیر نہ کررہے ہوں۔ کیوٹو میں خفیہ لگا رکھی اور اوشی کی روش سے بے خبر نہ رہا۔ اوشی دشمن کو دھوکے میں رکھنے کے لیئے ہمیشہ مدہوش بنارہا تھا۔ ایک روز جب حالت سرخوشی میں گھر لوٹ رہا تھا۔ راستہ میں گر پڑا اور وہیں لوٹتا رہا۔ راستہ چلنے والے اس کی بدمستی کی حالت پر تھوکتے اور کہتے۔ یہ وہی اوشی ہے کہ کسی زمانہ میں نواب ٹاکومی کا مشیر تھا شراب خواری اور آوارہ گرد لڑکیوں کے پیچھے گرفتار ہے۔ دیکھیے کیسا پیا ہوا خاک پر لوٹ رہا ہے۔ بے ایمان۔ بے وقوف۔ مشیروں کے نام کو بٹا لگانے والا کہیں کا"۔

کوشکی کو جب اس کے مخبروں نے مشیر کی اس ناگفتہ بہ حالت کی اطلاع دی تو وہ خطرے سے بالکل بے فکر ہو گیا۔ اوشی کی بیوی جو اپنے شوہر کی حالت دیکھ کر کڑھا کرتی تھی ایک روز اس کے پاس آئی اور

کہا "آپ نے تو کہا تھا کہ یہ بدمستیاں اور بد معاشیاں دشمن کو صرف دھوکا دینے کے لئے جاری ہیں۔ لیکن مجھے تو کچھ اور بتاتے ہیں حد ہو گئی خدا کے لیئے باز آئیے۔

اوشی "مجھے نہ چھیڑو۔ میں تمھاری کوئی بات سننا نہیں چاہتا اگر تم کو میرا طرز عمل ناپسند ہے تو آج ہی سے طلاق۔ تم کو اختیار ہے جو چاہو کرو۔ اور جہاں چاہو رہو۔ میں اپنی دل بہلائی کے لیئے شرابخانے کی کسی لڑکی کو خرید کر کے عقد کر لونگا۔ مجھے تم جیسی بوڑھی عورت کے دیکھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ یہاں سے نکل جاؤ اور پھر صورت نہ دکھاؤ" یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اسکی عورت لرزتی ہوئی نہایت انکساری سے رحم کی طالب ہوئی اور کہا "للہ ایسا نہ کہو۔ بیس سال سے میں تمھاری وفادار بیوی رہی ہوں رنج و تکلیف میں میں ہمیشہ برابر کی شریک رہی ہوں۔ آپ اتنے ظالم تو نہیں کہ مجھے گھر سے نکال دیں۔ للہ رحم کیجیئے رحم ان معصوم بچوں پر رحم"

اوشی "بس زبان بند کر۔ میں کہہ چکا ہوں اور تجھ کو جانا پڑیگا جا اپنے ساتھ بچوں کو بھی لیجا"

جب اس نے مرد کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو بہت مایوس ہو گئی۔ اور بڑے لڑکے کا ہاتھ پکڑا اس سے التجا کی کہ وہ اس کیلئے سفارش کرے اور خطا معاف کروائے۔ لیکن کسی کی آہ وزاری اوشی کو اپنے مستقل ارادے سے باز نہیں رکھتی تھی۔ اس لیئے اس کی بیوی کو جانا پڑا۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس کے ساتھ چلے گئے۔ بڑا باپ کے پاس رہا۔

مخبروں نے اس واقعہ کی بھی اطلاع دی۔ کوشکی یہ سنکر کہ اچھے

بال بچوں کو بھی گھر سے نکال دیا ہے۔ اور دن رات شراب خانوں میں پڑا، فاحشہ لڑکیوں کے ساتھ بسر کر رہا ہے۔ اور یہ یقین کرکے کہ ٹاکومی کے ملازمین میں سے کسی میں بھی اب بدلا لینے کی جرأت نہیں ہے۔ اس نے اپنی نگرانی اور حفاظت میں پہلی بندشیں اکثر دور کر دیں اور پہرے کے جوانوں میں سے نصف کو واپس کر دیا۔ اور اس کو کبھی خیال بھی نہ آیا کہ بچھائے ہوئے جال میں وہ آہستہ آہستہ گرفتار ہو رہا ہے۔

یہ وہی اوشی ہے جس نے اپنے مالک کے دشمن کو قتل کرنے کی ہوس میں بیوی کو طلاق دینے۔ بچوں کو گھر سے نکال دینے کی تک پروا نہ کی۔ اس طرز عمل سے اپنے دشمن کی آنکھ میں خاک جھونک رہا تھا۔ حالت کہ ناگفتہ بہ بنائے رکھا ادھر اس کے ساتھی ایدو جا کر مختلف پیشے اختیار کرکے کوتشکی کے مکان سے اچھی طرح واقف ہو گئے۔ مکان کے راستوں اور مختلف کمروں سے واقفیت حاصل کی۔ اور اس بات کا خاص طور پر اندازہ کیا۔ کہ ملازمین میں کون بہادر اور جانباز ہے اور کون ڈرپوک اور بزدل۔ اور وہ اوشی کو ٹھیک اطلاع دیتے رہے۔ اور جب ایدو سے آنیوالے خطوط سے معلوم ہو گیا کہ کوتشکی اب کسی مسلح پہرے کی حفاظت میں نہیں ہے تو اوشی کو اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا اور اپنے ایک ہم شبیہ کو ایدو میں چھوڑ کر خود کھتو روانہ ہو گیا۔ دشمن کی خفیہ کو خبر تک نہ ہوئی۔ اور اس کے چھیالیس ساتھی اپنے اپنے منصوبہ مرتب کرکے نہایت صبر کے ساتھ وقت کا انتظار کرنے لگے۔

سرما کا موسم تھا۔ اور سال کا آخری مہینہ۔ سردی زوروں پر تھی۔ برف کثرت سے گر رہی تھی رات کا وقت تھا۔ سب لوگ

سو چکے تھے۔ اور ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جاں نثاروں کے لیے حصول مقصد کے لیئے اس سے بہتر موقع نہ تھا۔ سب جمع ہوئے نظام العمل تیار ہوا۔ ہر شخص کے فرائض مقرر کیئے گئے جماعیت کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک ٹکڑی اوشی کی کمان میں کوشکی کے مکان کے سامنے والے پھاٹک پر مقرر کی گئی۔ اور دوسری اس کے لڑکے چیکارا کی ماتحتی میں مکان کے پچھلے پھاٹک پر متعین کی گئی۔ اور چونکہ چیکارا کم عمر تھا اس لیئے ایک تجربہ کار شخص یوشید اشیوزلائے مِن اس کا مشیر مقرر کیا گیا۔ اور آدھی رات کا وقت حملہ کے لیئے مقرر ہوا۔ یہ تمام انتظامات کر کے آخری بار تمام جاں نثار ملکر کھانا کھانے بیٹھے۔ اس کے بعد اوشی نے جماعت کو مخاطب کر کے چھوٹی سی تقریر کی۔

"جاں نثارو! آج ہم کو دشمن پر حملہ کرنے کا موقع ہاتھ آیا ہے اس کے ملازمین یقیناً ہمارے مقابلہ کو آئیں گے اور ہم کو بھی ان پر ہاتھ اٹھانا ہوگا۔ لیکن خیال رہے کہ ضعیف مرد۔ عورت اور بچوں پر تلوار نہ اٹھنے پائے اس لیئے میری آپ سب سے التجا ہے کہ آپ اس میں خاص طور پر احتیاط سے کام لیں" اس کے ساتھیوں نے نہایت پرجوش طریقہ پر اس تحریک کو قبول کیا۔

جب مقررہ وقت آگیا تو تمام جان نثار روانہ ہوئے۔ ہوا زور سے چل رہی تھی۔ اور چہروں پر برف کی چھینٹیں پڑ رہی تھیں۔ لیکن انھوں نے کچھ پروا نہ کی اور کوشکی کے مکان پر پہنچ گئے۔ جماعت کے دو حصے ہو گئے چیکارا تیئس آدمیوں کو لیکر پچھلے دروازے پر چلا گیا۔ چار آدمی سیڑھی لگا کر چھت پر چڑھ گئے۔ اور

اور اس بات کا اطمینان کر کے کہ سب سو رہے ہیں انھوں نے سب سے
پہلے دربانوں کو گرفتار کر کے مشکیں کس دیں۔ دربان پریشان ہو کر
جان بخشی کی التجائیں کرنے لگے۔ اور جب ان سے دروازے کی
کنجیاں طلب کی گئیں تو انھوں نے کہا کہ کنجیاں ان کے افسر
کے پاس رہتی ہیں۔ اور کوئی ذریعہ اس سے حاصل کرنے کا نہیں ہے
اس پر جان نثار بیقرار ہو گئے۔ اور تبر سے مار مار کر پھاٹک کے
کواڑ گرا ڈالے۔ ٹھیک اسی وقت چکارا بھی پچھلے دروازے سے
گھس آیا۔

اس کے بعد اوشی نے ہمسایوں کو کہلا بھیجا کہ "ہم جانثار
جو پہلے ٹاکومی کی ملازمت میں تھے۔ آج کی رات اپنے مالک
کا بدلا لینے کے لیے کوشکی کے مکان پر دھاوا بولنے والے ہیں
اور چونکہ ہم نہ لٹیرے ہیں اور نہ ڈاکو اس لیے آپ لوگ اطمینان
سے سوئیں کسی ہمسایہ کو تکلیف نہیں دی جائیگی" چونکہ کوشکی
کے کمینہ پن کی وجہ سے تمام ہمسایوں کا ناک میں دم تھا۔
اس لیے کوئی مدد کو نہ آیا۔ دوسری احتیاط یہ کی گئی تھی کہ کہیں
مکان کا کوئی آدمی بھاگ کر کوشکی کے خاندان اور رشتہ داروں کو
بلا نہ لائے۔ اس لیے کئی مسلح تیر انداز مقرر کیے گئے تھے کہ
مکان سے باہر نکلنے والے کو نشانہ بنائیں۔ تمام انتظامات مکمل
کر کے اوشی نے نقارہ بجایا اور حملہ کرنے سے پہلے دشمن کو آگاہ
کر دیا۔

کوشکی اور اس کے ملازمین نقارہ کی آواز پر چونک پڑے۔
اور تلواریں کھینچکر اپنے مالک کی حفاظت کو دوڑے۔ ادھر یہ
مالک کی خوابگاہ میں داخل ہوئے۔ ادھر جاں نثار جو پہلے ہی سے

پہنچ چکے تھے مقابل کے دروازے سے کمرے میں داخل ہوگئے۔ باہم جنگ ہونے لگی۔ چکارا اپنے سپاہیوں کو لیکر باغ سے ہوتا ہوا آدھمکا۔

کوتشکی جان کے خوف سے زنانہ گھر میں بھاگ گیا۔ دوسرے ڈرپوک ملازمین بھی جو خوف کے مارے بہت دیر سے اپنے اپنے کمروں میں دبکے پڑے تھے۔ کسی محفوظ مقام کی تلاش میں تھے۔ لیکن جان نثار جو برسرپیکار تھے دشمنوں کو ایک ایک کرکے قتل کرتے اور فاتحانہ انداز میں مکان کے بیرونی کمروں کی جانب بڑھے چلے جارہے تھے کہ درمیان میں چکارا کی جماعت سے مل گئے۔ اور دونوں ٹکڑیاں ایک ہوگئیں۔

اتنے میں کوتشکی کے دوسرے ملازمین بھی مقابلے کے لیئے آگیے اور ہر طرف جنگ چلنے لگی۔ اوشی ایک بلند مقام پر کھڑا للکار کر ہدایات دیرہا اور دل بڑھا رہا تھا۔ ملازمین نے جان نثاروں کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر یوگی سامہ کو کہلا بھیجا اور التجا کی کہ وہ اپنی جرار فوج لیکر خود آئے لیکن تمام قاصد تیراندازوں کا نشانہ بن گیئے۔ اس لیئے کوئی مدد کو نہ آیا۔ اور ملازمین بالکل ناامید ہوکر لڑتے رہے۔ آخر اوشی نے للکار کر کہا "صرف کوتشکی ہمارا دشمن ہے۔ تم میں سے کوئی ہے ویسا جو اندر جاکر اس کو زندہ یا قتل کرکے باہر لائے"۔

کوتشکی کے سامنے تین بہادر تلوار کھینچے کھڑے تھے۔ یہ تینوں سب سے زیادہ وفادار۔ تجربہ کار اور شمشیرزنی میں کمال رکھتے تھے۔ اس استحکام سے انھوں نے مقابلہ کیا کہ جان نثاروں کے پیر اکھڑ گیئے اوشی نے جب اپنی جماعت کو پسپا ہوتے دیکھا تو غصہ

سے دانت چبایا اور للکار کر کہا "کیا تم نے اپنے مالک کا بدلہ لینے میں جان لڑا دینے کی قسم نہیں کھائی ہے؟ پھر کیوں بزدل ہو گئے۔ تمہارے آگے صرف تین آدمی ہیں۔ مار کر رکھ دو۔ مالک کے لیے لڑتے ہوئے جان دیدینا وفادار غلام کا شریف ترین جذبہ ہے" پھر اس نے اپنے بیٹے چیکارا سے مخاطب ہو کر کہا "دیکھو چیکارا! ان کے مقابلہ میں ڈٹے رہنا۔ اور مر کر بھی پیٹھ نہ دکھانا"

ان الفاظ سے متاثر ہو کر چیکارا نیزہ لیکر دشمن پر جا پڑا۔ لیکن استقلال سے مقابلہ نہ کر سکا۔ پیر اکھڑ گئے پسپا ہوتا ہوا باغ میں آگیا۔ جہاں اس کا پیر پھسل گیا اور ایک حوض میں جا گرا۔ اس کا دشمن اس کا پوری طرح خاتمہ کر دینے کے لیے نیزہ تانے حوض میں جھانک ہی رہا تھا۔ کہ چیکارا نے ایسا ہاتھ مارا کہ دشمن کے دونوں پیر کٹ گئے اور وہ حوض میں آگرا۔ اور چیکارا جلدی سے تیر کر نکل گیا اور دشمن کا سر پانی سے ابھرتے ہی نیزہ مار کر ختم کر دیا اس عرصہ میں باقی دو بھی جاں نثاروں کے ہاتھ سے مارے جا چکے تھے۔ اور کوشکی کے ملازمین میں کوئی نظر نہ آیا تو چیکارا خون میں بھری ہوئی تلوار ہاتھ میں لیئے ہوئے کوشکی کی تلاش میں نکلا۔ راستہ میں کوشکی کے لڑکے کیرانواجی سے مدبھیڑ ہو گئی جو تبر سے حملہ آور ہوا۔ لیکن بہت جلد زخمی ہو کر بھاگ گیا۔ تمام ملازمین مر چکے تھے اور لڑائی ختم ہو چکی تھی لیکن کوشکی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

اوئشی نے اپنی جماعت کو کئی ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا۔ اور خانہ تلاشی شروع کر دی۔ لیکن ساری کوشش بے سود ہوئی وہاں رہنے والوں عورتوں اور بچوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ فکر بڑھتے بڑھتے مایوسی ہونے لگی۔

اس سعی بلیغ کے باوجود دشمن کا بچ کر نکل جانا تعجب خیز تھا۔ ناکام ہونے سے تو خودکشی مناسب تھی۔ لیکن خودکشی کرنے سے پہلے ایک بار آخری کوشش کا تہیہ کیا۔ اور کوشکی کی خوابگاہ میں گئے۔ اوشی نے بستر پر ہاتھ رکھ کر محسوس کیا کہ بستر گرم ہے۔ اور کہا "یقیناً ہمارا دشمن باہر نہیں گیا۔ اور مکان کے اندر ہی کہیں نہ کہیں چھپا بیٹھا ہے جاں نثاروں کی حیرت بڑھ گئی۔ اور از سر نو مکان کی تلاشی لینی شروع کردی۔ عبادت گاہ کے مرتفع حصہ پر ایک تصویر لٹک رہی تھی۔ تصویر کے پیچھے ایک بڑا سا سوراخ تھا۔ جینتو تارو نامی ایک جاں نثار ہمت کرکے سوراخ میں گھس گیا اور دیکھا کہ وہاں ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ اور اسی سے ملا ہوا ایک اور کمرہ ہے جس میں جلانے کی لکڑیاں اور کوئلہ بھرا پڑا ہے۔ اس تاریک کمرے میں غور سے دیکھا تو ایک طرف سفید سی چیز نظر آئی۔ نیزے کی نوک سے چھوتے ہی دو جوانمرد جینتو پر پل پڑے یہ ان دونوں سے لڑ ہی رہا تھا ایک اور جاں نثار جینتو کی مدد کو آگیا۔ اور ان دونوں نے ملکر دشمنوں کو قتل کر ڈالا۔ اور پھر تلاش شروع ہوگئی ایک اور سفید سی چیز نظر آئی جینتو نے اس پر نیزہ مارا ایک چیخ کی آواز سنائی دی۔ آواز چونکہ مرد کی تھی اس لیے آگے بڑھا۔ سفید پوش جس کے کولے میں زخم آیا تھا۔ اور خون سے دامن تر ہو گیا تھا خنجر سے وار کرنا چاہا لیکن جینتو نے اس کا وار خالی دیکر خنجر چھین لیا۔ اور گردن پکڑ کر اس تاریک کمرے سے باہر لایا اور چہرہ کو غور سے دیکھ کر پہچان لنے کی کوشش کی اندھیرے میں اتنا معلوم ہو سکا کہ وہ ایک شریف آدمی ہے عمر کوئی ساٹھ کے لگ بھگ ہوگی۔ اور کپڑوں پر تازہ زخم سے بہنے والے خون کے دھبے تھے۔ جب انھوں نے اس کا نام

پوچھا تو کوئی جواب نہیں دیا۔ جیتو نے سیٹی بجائی اور تمام جان نثار جمع ہو گئے اوشی نے قندیل لاکر بوڑھے آدمی کو سر سے پیر تک دیکھا۔ اور چونکہ اس بوڑھے کی پیشانی پر زخم کا وہ نشان تھا جو ٹاکومی کے حملے کے وقت اس کے لگا تھا۔ اس لیئے اچھی طرح یقین ہو گیا کہ یہی کوتشکی ہے اوشی نے اسکے آگے تعظیم سے جھک کر یوں کہا۔

”عالی قدر! ہم ٹاکومی کے وفادار غلام ہیں۔ سال گزشتہ آپ میں اور ہمارے مالک میں لڑائی ہو گئی تھی۔ اور ہمارے مالک کو ”کاراکیری (خودکشی) کا حکم سنایا گیا تھا۔ اور اس کے خاندان کو تباہ و برباد کیا گیا۔ آج ہم جیسا کہ ہر وفادار اور جان نثار غلام کا فریضہ ہے اپنے مالک کا بدلہ لینے کے لیئے حاضر ہوئے ہیں اس لیئے ہماری گزارش ہے کہ آپ بھی ”کاراکیری“ کی رسم کو ادا کریں۔ آپ کا سر نہایت عزت و احترام کے ساتھ ہمارے مالک ٹاکومی کے مزار پر چڑھایا جائیگا“

کوتشکی کے اعزاز کے سبب جان نثاروں نے گفتگو کرنے میں حفظ مراتب کا بڑا خیال رکھا۔ اور ادائی رسم پر اصرار کرنے لگے لیکن وہ خاموش کھڑا تھرا رہا تھا۔ آخر کار یہ دیکھ کر کہ وہ شریفانہ موت کے لیئے راضی نہیں ہے اوشی نے زبردستی گرا کر اسی خنجر سے سر کاٹ لیا جس سے ٹاکومی نے خودکشی کی تھی۔ پس سینتالیس جانثاروں نے مقصد سے شادکام ہو کر کوتشکی کے سر کو ایک کونڈے میں رکھا اور روانہ ہونے لگے۔ مکان سے باہر نکلنے سے پہلے نہایت ہوشیاری سے انھوں نے تمام چراغ گل کر دیے۔ اور آتشدانوں کی آگ بجھا دی اس خیال سے کہ کہیں آگ بھڑک اٹھے اور ہمسایوں کو تکلیف ہو۔

جاں نثاروں کی جماعت تھہرنا کاناوا کی جانب بڑھی جس کے قریب سنگاکوجی کا مقبرہ کھڑا تھا۔ چلے جاتے تھے کہ راستہ میں صبح ہوگئی اور لوگ جوق درجوق ان کو دیکھنے کے لیئے جمع ہونے لگے۔ جن کے لباس اور ہتیار تمام خون آلود تھے۔ عجیب خوفناک منظر تھا۔ ہر شخص ان کی تعریف کرتا۔ اور ان کی بہادری اور جانثاری پہ حیرت کرتا۔ لیکن ہر وقت ان کو اس بات کا کھٹکا لگا ہوا تھا کہ کوئی دقت جاتا ہے کہ کوتشکی کا خسر حملہ کر کے سر چھین لیجائیگا اور انکو جان پر کھیل جانا پڑے گا۔ بہرحال وہ تاکاناوا کو خیریت سے پہنچ گئے۔ ماتسودیرا آکی نوکامی جو جاپان کا اٹھارہ بزرگ خاندانوں میں سے ایک تھا اور جس سے تاکومی کو دور کی رشتہ داری بھی تھی پچھلی رات کے واقعات سنکے بہت خوش ہوا اور ان جاں نثاروں کی ہر طرح مدد کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ یہی وجہ تھی کہ کوتشکی کے خسر نے ان کا تعقب کرنے کی ہمت نہیں کی۔

صبح کے کوئی ۸ بجے ہونگے۔ کہ یہ جماعت ماتسودیرا آنوکامی نواب سنڈا کے محل کے سامنے سے گزرنے لگی تو نواب نے اپنے مشیر کو بلوایا اور کہا "دیکھو۔ تاکومی کے جاں نثاروں نے اپنے مالک کے دشمنوں کو قتل کردیا ہے اور اس وقت وہ ہمارے مکان کے سامنے سے گزر رہے ہیں۔ جاؤ ان کو دعوت دو اور شراب وغیرہ سے تواضع کرو"

مشیر گیا اور ان کو بلا لایا۔ اور بڑی خاطر تواضع کی۔ کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد اوشی نے کہا "ہم آپ کی اس مہمان نوازی کے بدل ممنون ہیں۔ لیکن چونکہ سنگاکوجی جانے کی ہمیں جلدی ہے اس لیئے جانے کی اجازت چاہتے ہیں" اجازت

حاصل کر کے یہ سنگا کوجی کی طرف روانہ ہوئے۔ جب مقبرے کے قریب پہنچے تو مجاور بڑے دروازے تک استقبال کے لیے آیا اور ان سب کو ٹاکومی نوکامی کے مزار تک لے گیا۔

مزار پہنچتے ہی انھوں نے کوتسکی کے سر کو نکالا اور پانی میں صاف دھو کر مزار کے آگے رکھا۔ دعا پڑھی جانے لگی۔ اوشی اس کا بیٹا چکارا اور دوسرے ساتھی عود ڈالتے گئے۔ آخر میں اوشی نے مجاور کو نذرانہ دیتے ہوئے کہا "جب ہم سینتالیس آدمی "کاراگیری" کی رسم ادا کر چکیں تو ہمیں اچھی طرح کفنا کر دفن کرنا گو یہ نذرانہ معمولی ہے لیکن ہمیں توقع ہے کہ آپ اس رقم کو ایصال ثواب کے کاموں میں لگائینگے"۔ مجاور نے ان کی وفا شعاری کی تعریف کی۔ اور آنکھوں میں آنسو لاکر ان کی تمناؤں کو پورا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد یہ تمام جاں نثار سلطنت کے احکام کا نہایت اطمینان کے ساتھ انتظار کرنے لگے۔

آخر کار وہ عدالت میں بلوائے گئے۔ جہاں ایدو کا حاکم اور دیگر سردار جمع تھے۔ اور یہ فیصلہ سنایا گیا "حکومت کی طاقت اور شہر کی بدامنی کا خیال کیے بغیر چونکہ تم لوگوں نے رات کے وقت مکان میں گھس کر کوتسکی کو قتل کیا ہے اس لیے اس قتل عمد کی پاداش میں تمھیں "کاراگیری" کی سزا دی جاتی ہے" جب فیصلہ سنایا گیا۔ جاں نثار چار ٹکڑیوں میں تقسیم کئے گئے ایک ایک ٹکڑی ایک ایک سردار کی ماتحتی میں دیدی گئی۔ اور کوتوال شہر ان سرداروں پر حاکم بنایا گیا۔ تاکہ سرداروں کے روبرو "کاراگیری" کی رسم ادا ہو۔ لیکن جاں نثاروں نے شروع ہی سے تہیہ کر لیا تھا کہ آخر دم تک وہ ایک شریفانہ

موت مرنے پر ثابت قدم رہینگے۔ اس لیئے انھوں نے نہایت خندہ پیشانی سے "کاراگیری" کی رسم ادا کی۔ ان کی نعشوں کو سنگاکوجی لایا گیا اور وہاں ان کے مالک کے پائیں میں دفن کیئے گیے اور جب اس واقعہ کی شہرت اطراف و اکناف میں ہوئی۔ تو عوام ان جان نثاروں کی قبروں پر دعا پڑھنے کے لیئے آنے لگے۔

جو لوگ دعا پڑھنے کے لیئے آتے دن میں سا تسما بھی تھا جس نے اوشی کی قبر پر بوسہ دیکر کہا "جب میں تم کو یاما سینا کی سڑک پر بدمست پڑا لوٹتا دیکھتا تھا" میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اپنے مالک کا بدلا لینے کے لیئے سازش کر رہے ہو۔ اور تم کو بے وفا سمجھ کر میں نے ٹھوکر لگائی تھی۔ اور ایک طمانچہ بھی رسید کیا تھا اب میں اپنی خطا معاف کروانے کے لیئے حاضر ہوا ہوں التجا ہے کہ مجھے معاف کردو۔

یہ کہتے ہوئے اس نے دوبارا قدمبوسی کی۔ اور کمر سے خنجر نکال کر خود اس نے بھی "کاراگیری" کر لیا۔ اور مر گیا۔ مقبرہ کا متولی اس کی کس مپرسی پر رحم کھا کر جان نثاروں کے ساتھ دفن کر دیا اس کا مقبرہ ان جان نثاروں کے قبور کے سلسلہ میں اب بھی موجود ہے۔

وداعی

(موری اوگوائی ـــــ ۱۸۶۰ تا ۱۹۲۲)

اوگوائی فوج کا ناظم طبابت تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ قابل قدر ادیب بھی تھا۔ ترجموں اور توضیحوں میں اس نے انتھک محنت کی۔ موجودہ یورپی مصنفین کے شہ کاروں کا جو ترجمہ اس نے جاپانی زبان میں کیا ہے بہترین ہے نفیس مختصر قصوں کے علاوہ اس نے اہم سوانح عمریاں، اور ناول بھی لکھے۔ یہ تور اوتا کی توموکے انگریزی ترجمے سے اردو میں منتقل کیا جا رہا ہے، اردو ترجمہ افتخار الدین اور خواجہ معین الدین صاحبان کا ہے۔

ریلوے کی پٹریاں جو آہنی پل کے بمبوں کو سیدھے اور ترچھے قطع کرتی ہیں۔ اور جس پر چھوٹے اور بڑے بیم ژی لوفون (بچوں کے باجہ) کی پٹریوں کی طرح بچھے ہیں۔ ان آڑے بیموں کے شگافوں میں سے آفتاب کی تیز کرنیں سیاہ پانی کی موجوں پر پڑ رہی ہیں۔

مطلع صاف اور آسمان گہرے نیلے رنگ کا ہے۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ جو آج جا رہا ہے بیٹھی ہے۔ اس کو خیال نہیں کہ ہوا زور سے چل رہی ہے، جن رکشا سے اترنے کے بعد جس میں وہ یاکوہاما اسٹیشن سے بیٹھ کر آئی تھی بندرگاہ کے کنارے کھڑے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں مارچ

کی ہوا اب بھی چل رہی ہے۔ بدن کو کاٹ رہی ہے۔ اور اس کے لمبے کوٹ کے دامن کو اڑا رہی ہے۔

اس کا کوٹ زردی مائل خاکی رنگ کا ہے۔ حاملہ ہونے کی وجہ سے ڈھیلا باندھ رکھا ہے۔ سر پر سوکو آشو ٹوپی ہے۔ جو شتر مرغ کے سفید پر کی ہے۔ ہاتھوں میں پھندنے والی ہلکے سبز رنگ کی چھتری ہے۔ چار پانچ کنیزیں ساتھ ہیں۔

بندرگاہ بہت دور تک چلا گیا ہے۔

بندرگاہ کے سیدھے اور بائیں جانب جہاز لنگر انداز ہو رہے ہیں۔ ان میں بعض کالے ہیں اور بعض سفید ہیں۔ جہازوں کی وجہ سے ہوا رک گئی ہے۔ اور جب وہ جہاز کی آڑ سے آگے بڑھ جاتی ہے تو ہوا کا جھونکا اس کے لمبے کوٹ کو اڑانے لگتا ہے۔

دو سال پہلے جب اس نے جامعہ سے ادبیات کی ڈگری حاصل کی تھی اس کی شادی اس نواب سے ہوئی۔ گزشتہ سال اس کی پہلی اولاد ہوئی جو ہیرے جیسی لڑکی تھی اس سال کے آخر میں اس کے شوہر کو ماشراف سیری مونیر کا عہدہ عطا ہوا۔ اور اس وقت وہ اپنی خدمت کا جائزہ لینے کے لیے لندن جا رہا ہے۔

اس کا شوہر خاکی رنگ کا کوٹ پہنے ٹیڑھے مٹھ کی چھتری ہلاتے ہوئے بندرگاہ پر تیز تیز چل رہا ہے۔ دائی گوننٹ بھی جو اس کے ہمراہ لندن جانیوالا ہے اس کے ساتھ ہے۔ یہ ذرا بلند قامت ہے اور اس کا لباس بھی خاکی ہے۔ فرانسیسی جہاز جس میں اس کا شوہر سفر کرنے والا ہے۔ بندرگاہ کے آخری حصہ میں سیدھے جانب لنگر انداز ہے۔

یہاں ایک تپائی رکھی ہے بالکل ایسی ہی جیسی ٹرالی کے تاروں

کو درست کرنے کے کام آتی ہے اس پر ایک تختہ جہاز پر چڑھنے کیلئے لگا یا گیا ہے۔ وہ اپنے شوہر اور اس کے ساتھی وائی نٹ کو اس تختہ پر سے آہستہ آہستہ چلتے اور جہاز میں داخل ہوتے ہوئے دیکھتی ہے۔

لوگوں کا مجمع جوان کو دیکھ رہا ہے بندرگاہ کے دونوں جانب کھڑا ہے۔ تقریباً یہ سب اس کے شوہر اور وائی نٹ کو رخصت کرنے کے لیئے آئے ہیں۔ شاید اس جہاز پر اس کے شوہر سے بڑھ کر کوئی اور معززانہیں ہے۔

بعض لوگ اس تپائی تک چلے جا رہے ہیں۔ اور بعض تپائی کے آگے جہاں کنڈے اور رسیاں پڑی ہیں اپنے ساتھیوں کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ اس مجمع میں بعض ایسے بھی ہونگے جو اس کے شوہر سے واقف بھی نہ ہونگے۔ لیکن وہ سب کے سب اس صاف مطلع والے دن میں اداس نظر آرہے ہیں۔

لوگوں کے پیچھے آہستہ چلتے ہوئے اتفاقاً اس کی نظر جہاز کے بازو والی کھڑکیوں میں پڑتی ہے۔ ان گول کھڑکیوں میں سے عورتوں کے چہرے اور بالائی حصہ جسم نظر آتے ہیں۔ ان میں سے تین عورتیں تیس سے چالیس برس کی عمر کی ہیں۔ یہ جہاز کی خادمہ ہونگی۔ ان کو خادمہ سمجھکر وہ ان پر رشک کرنے لگتی ہے۔ یہ مسافروں کی خدمت کیا کرتی ہیں۔ مسافروں میں اس کا شوہر بھی شریک ہے۔

عرشہ کے کٹہرے کے پاس بندرگاہ کو دیکھتے ہوئے ایک عورت کھڑی ہے۔ وہ سفید کپڑے کی بڑی ٹوپی پہنے ہوئے ہے۔ اور اسکے ہاتھ میں چمڑے کا ایک چھوٹا بٹوہ ہے۔ اس کی دو بڑی آنکھیں جھریدار چہرہ پر لمبی ناک کے دونوں طرف چمک رہی ہیں۔ صورت سے بھودن معلوم ہوتی ہے اور چونکہ اس جہاز پر سفر کرنے والی ہے اس لیئے

اس سے بھی اس کو رشک ہے۔

بندرگاہ بہت دور تک چلا گیا ہے۔

اب وہ سیڑھی کے پاس پہنچ گئی ہے۔ ہوشیاری کے ساتھ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے بڑے جہاز کے عرشہ پر اتری اور اپنی چھتری اتار کر خادم کے حوالے کی۔

ان لوگوں کے ساتھ جو وداع کرنے کے لیے پہلے ہی سے جہاز پر آتے ہوئے تھے کیبن کے بازو بازو وہ جہاز کے اگلے حصہ کی طرف جاتی ہے۔ اس راستہ کے سرے پر مسافروں کے کمرے ہیں، دائی کونٹ دروازے پر کھڑا اس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "میڈم یہی کمرہ ہے۔"

کمرے کے اندر جھانک کر اس نے دیکھا کہ دو بستر ہیں جس کے نیچے وہ صندوق اور پیٹیاں ہیں جن سے وہ بخوبی آشنا ہے۔ اور اس کا شوہر ایک بستر کے سامنے کھڑا ہے۔

"میڈیم آپنے دیکھا۔ کمرہ اس نوعیت کا ہے۔"

یہی کمرہ ہے۔ اس کو اچھی طرح دیکھ لینا چاہیے۔ اس کے شوہر کے طویل سفر میں اسی کمرے میں اس کے خیالات رہینگے۔

ایک شخص جو کپتان معلوم ہوتا تھا۔ اس کے شوہر کو فرانسیسی زبان میں مخاطب کیا۔ اور جہاز کے کمرہ کی طرف چلا اور اس کے شوہر اور دائی کونٹ کے ساتھ وہ اندر داخل ہوئی۔

یہ ایک وسیع اور خوبصورت کمرہ ہے۔ میزوں پر گلدستہ رکھے ہوئے لوگ جو رخصت کرنے کے لیے آئے تھے آہستہ آہستہ اس کمرے میں جمع ہوئے۔

کپتان کے حکم سے ملازم شراب کے جام لیکر آیا۔ اور لوگوں میں

تقسیم کیا۔ اور دوسرا آئس کریم اور کیک لیکر آیا اور لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ جام شراب لیکر لوگ اس کے شوہر اور روائی کونٹ کے سامنے کھڑے ہوئے اور سفر کے خوشگوار ہونے کی تمنا کرتے ہوئے جام صحت پیا۔ اس میز کے بازو ایک چھوٹی کرسی پر رسم کے ختم ہونے کے انتظار میں وہ بیٹھی رہی۔ اس مصروفیت میں کبھی کبھی اس کا شوہر اس کی جانب دیکھتا جاتا ہے۔ اتنے لوگوں کے سامنے وہ اس سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ نظروں کا باہمی تبادلہ ہو کر رہ جاتا۔

گھنٹی بجتی ہے۔ لوگ یکے بعد دیگرے اس کے شوہر اور روائی کونٹ سے رخصت ہوتے ہیں۔ اور وہ بھی اپنے شوہر اور روائی کونٹ سے ہاتھ ملا کر ان لوگوں کے پیچھے واپس ہوتی ہے۔ اور مخدوش سیڑھی پر گزر کر بندرگاہ پر آتی ہے اور خادم سے چھتری لیکر چڑھا لیتی ہے۔

اس کا شوہر اور روائی کونٹ کٹہرے کے پاس کھڑے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ اپنی چھتری کے نیچے سے اسکی طرف دیکھ رہی ہے۔

دوبارہ گھنٹی بجتی ہے۔ چند فرانسیسی ملاح سیڑھی سے رسی کھولتے ہیں۔ اور ایک جاپانی حمال اس تپائی پر کھڑے ہو کر سیڑھی کو نیچے سے اٹھاتا ہے۔ چرخی کے رسے پر جس کو یہ حمال کھینچ رہا تھا سیڑھی جہاز سے ہٹکر لٹک جاتی ہے۔

شہر یا کوہاما کی دوپہر کی توپ چلتی ہے۔ اس آواز کے ساتھ جہاز جو کھڑے ہونے کی وجہ سے آواز کر رہا تھا آہستہ آہستہ حرکت کرنے لگتا ہے۔ اور بڈھے انگریز جو میاں بیوی معلوم ہوتے تھے کٹہرے کے پاس کھڑے ہیں۔ وہ اس خوش طبع سفید بال والے بڈھے سے گفتگو کر رہے ہیں جو بندرگاہ پر کھڑا ہوا ہے۔ اور جس کا

پھیرا اس چکر پر ہے جس پر رسی لپٹی جاتی ہے۔ وہ اس جدائی پر رنجیدہ معلوم نہیں ہوتے۔ کبھی جہاز چلتا ہوا۔ اور کبھی خود بندرگاہ کو حرکت ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے عورت اور اس کے شوہر کے درمیان صرف ایک لنگر کا فاصلہ ہے۔

بعض لوگ جو ان کو رخصت کرنے آئے تھے بندرگاہ کے آخری حصہ تک دوڑتے چلتے ہیں لیکن وہ ایسی بدتہذیبی نہیں کر سکتی تھی۔ یکایک جہاز کے کنارے پر کوئی سفید چیز حرکت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہ ایک دستی تھی جس کو وہ عورت ہلاتی ہے جس کے سر پر سفید بڑی ٹوپی ہے۔ ایک بلند قامت آدمی سرخ ویسکوٹ اور ربڑ کا جوتا پہنے ہوئے بندرگاہ کے آخری حصہ پر کھڑا اپنی دستی ہلا کر جواب دیتا ہے۔ گویا یہ دونوں ایک دوسرے کو رخصت کر رہے ہیں۔

ان دونوں نے ابتدا کی اور ہر طرف دستیاں ہلنے لگیں۔ ان لوگوں نے بھی دستیاں ہلانی شروع کیں جو کونٹ کے اطراف جہاز پر کھڑے تھے۔ اس نے بھی اپنی آستین سے خوبصورت دستی نکالی لیکن وہ ایسی بدتہذیبی نہیں کر سکتی تھی۔

جہاز بندرگاہ سے روانہ ہونے کے بعد رخ بدل دیا۔ اور جہاز کا وہ مقام جہاں اس کا شوہر کھڑا تھا۔ نظروں سے غائب ہو گیا اب بھی جہاز کے پچھلے حصہ پر ایک پندرہ سولہ سال لڑکا میلے کپڑے پہنے اس کو نظر آرہا ہے فرانس میں کیا کوئی ماں اس کا انتظار کر رہی ہے یا اس کے والدین کا انتقال ہو گیا ہے جہاز کے پچھلے کٹہرے کے پاس کھڑے وہ کیا چیز دیکھ رہا ہے۔

وہ پلٹتی ہے اور خادمہ کے ساتھ آہستہ آہستہ چلی جاتی ہے۔

بندرگاہ بہت دور تک چلا گیا ہے۔

اس مقام پر جہاں سیاہ جہاز تھوڑی دیر پہلے لنگر انداز تھا۔ آفتاب کی زرد زرد شعاعوں میں مچھلی کے چھلکوں کی طرح پانی چمک رہا ہے۔

گھریلو

(از یشما زاکی ٹوسون۔ ۱۸۷۱ء)

ٹوسون نے جدید شاعری سے ادبی مشاغل کا آغاز کیا۔ لیکن روس وجاپانی جنگ کے بعد وہ حقیقتی افسانوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اپنی ناولوں میں تو اس نے یورپی قصوں سے مدد لی۔ لیکن مختصر قصوں میں اس کی کوششیں پوری طبعزاد ہیں حیات اور فطرت سے اسکے افسانے سرمو تجاوز نہیں کرتے۔

انگریزی ترجمہ مذکورہ بالا انشا پرداز ہی کا ہے اردو میں افتخار الدین اور خواجہ معین الدین صاحبوں نے ترجمہ کیا۔

پیدائش ہی سے بدقسمت تھی۔ چھوٹے بھورے رنگ کے بال تھے۔ کان لٹکے ہوئے اور آنکھیں لومڑی سی تھیں ہر جانور جو گھریلو کہلاتا ہے۔ اپنی بعض خاص خوبیوں کی وجہ سے آدمی کو

اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔ لیکن یہ اس قسم کی تمام صفات سے محروم تھی۔ اور اس لیئے لوگ اس سے متنفر تھے۔

بہرحال یہ کتیا تھی اور کتیا ہونے کی وجہ سے اپنی زندگی انسانوں سے دور جنگل میں بسر نہیں کر سکتی تھی۔ انسانوں میں پرورش پانے کی جبلی عادت کو چھوڑ کر وہ کسی جنگل میں رہائش اختیار نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیئے اس کو ایک موزوں آدمی کے گھر کی تلاش ہوئی۔ کن سان نامی ایک باغبان کے مکان پر پہنچی۔ اس مکان کی لکڑی کی چھت کی تعمیر چند روز ہوئے ختم ہوئی تھی مکان موضع رد کوبی کے سڑک پر واقع تھا۔ اس طرح کہ پیچھے کے احاطہ سے سڑک پر جا سکتے تھے مکان کی کرسی اونچی تھی۔ اور زمین خشک رہتی تھی۔ اس مکان اور بازو کے مکان کی باڑھ کے درمیان ایک سیری تھی جس میں کوئی نہ جاتا تھا۔ اور یہ ضرورت کے وقت اس میں چھپ سکتی تھی۔ اس لیئے اس نے اس مقام کو اپنی پناہ گاہ مقرر کیا۔

پہلے اس کو غذا کی ضرورت تھی۔ اس مقام پر دو اور گھر تھے۔ اور اس بڑے مکان کو شامل کر کے جس میں کن سان کے لوگ رہا کرتے تھے چار گھر کی آبادی تھی۔ یہ گھر ایک دوسرے کے سامنے واقع تھے اور ان کے بیچ میں ایک خوبصورت گھنا درخت تھا۔ اس نے اپنی تیز قوت شامہ سے پہلے ہی معلوم کر لیا کہ باورچی خانہ کس سمت میں ہے اس کو بھوک خوب لگی تھی۔ اس لیئے انتظار کا موقع نہ تھا۔ میووں کے چھلکے ٹھنڈا بدبودار شوربہ اور پس خوردہ جو کچھ ملا اس کو کھا گئی۔ اس سے بھی شکم سیری نہ ہوئی تو مٹی سونگھتی اور پانی میں بھیگی ہوئی پیاز کھا لیتی۔

باغ میں ایک موکوسی کا درخت تھا۔ اس کے سایہ میں دوپہر کے وقت پیر پھیلا کر سو رہتی۔ اور پتوں سے چھن چھن کر آنیوالی دھوپ کھاتی کبھی۔ کبھی روتی اور کبھی پنجوں سے گھانس کریدتی۔ وہ شام کے وقت اپنی زمین دوز جائے پناہ میں گھس جاتی۔ اور کوئلوں کے تھیلوں پر پڑی رہتی۔ ایک روز نہانے کے لئے بڑے ٹب میں لیٹ جانے کی کوشش کی تھی۔ کبھی تہ خانہ میں سے باورچی خانہ کے فرش کے نیچے پہنچ جاتی اور گرم کوئلوں کے ڈبے کے نیچے سو جاتی۔ بہرحال اسی طرح بسر ہوتی۔

اس زمانہ میں کن ساں خاندان میں سفید اور بھورے دھبہ والا ایک کتا تھا جس کا نام پوچی تھا یہ زندہ دل پوچی ہی صرف اس سے خوش تھا۔ پوچی بڑا محبت والا تھا پہلی مرتبہ وہ زمین کریدتے ہوئے محبت سے اس کی طرف بڑھا اور یہ بھی اپنی غلیظ دم ہلاتے ہوئے اس سے ملی۔

کن ساں اور اس کے گھر والے پوچی کے اس میل ملاپ سے خوش نہیں ہوئے۔ ایک نے کہا جانور کے لئے بھی بدصورت ہونا کس قدر برا ہے۔ دوسرے نے کہا اگر ذرا بھی اچھی ہوتی تو میں اس کو رکھ لیتا۔ یہ تمام باتیں اس کے لیئے بے معنی نہیں۔ لوگ اس کو پیپ پکارا کرتے تھے۔ عموماً ہر گھر کی مالکہ کو خالہ پکارا کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ خالہ ہی بلکہ ان کے بچے بھی اس کی ہنسی اڑاتے۔ نفرت کرتے بلکہ پیپ پیپ کہتے ہوئے پیچھا کرتے تھے اور ان کے شوہر تو اس کے لئے اور بھی ظالم تھے۔ ان کے لئے اسکا نظر آجانا بھی کافی تھا۔ پتھر۔ مٹی کے ڈھیلے۔ لکڑی کے ٹکڑے۔ لوہے کے سیخیں۔ جو کچھ ہاتھ لگا اس سے مارتے۔ ایک مرتبہ

بڑے دروازے کا اڑونڈا اس پہ پھینکا گیا۔ اور اس کا پچھلا پیر زخمی ہو گیا۔

رفتہ رفتہ وہ انسانی طبیعت سے مانوس ہونے لگی۔ منہ بنانا مونڈھے چڑھانا اور ہونٹ کاٹنا اسی قسم کی مختلف حرکتوں سے اس سے مخالفت کا اظہار ہوتا تھا۔ ایک دن کن سان نے تو باورچی خانہ میں اس کا خاتمہ ہی کر دیا تھا۔ لوگ سبھی ڈھونڈتے ہی رہے اور وہ بلغ سے ہوتی ہوئی۔ گودام کی طرف گئی۔ اور وہاں سے پھولوں کی کیاریوں میں ہوتی ہوئی نکل بھاگی۔ کسی نے کہا "آخرہ بچکر نکل گئی" کن سان نیک آدمی کی طرح ہنستے ہوئے کہا "کیا تکلیف دہ جانور ہے"

اس کو کئی مرتبہ اس قسم کی سختی برداشت کرنی پڑی۔ لیکن وہ ایسی بودی نہ تھی کہ ان سختیوں سے تنگ آجاتی بلکہ وہ اطمینان سے غذا کی تلاش میں پھرتی اور اس بیفکری اور شان سے ٹہلتی کہ گویا وہ تمام گھر اسکی اپنی ملک ہے۔ وہ باورچیخانہ میں بے تکلف چلی جاتی۔ اور غلیظ پاؤں لئے ہوئے برانڈے کی فرش پر پھرتی بلغ کی بیلوں کو کترتی۔ اور دھوئے ہوئے کپڑوں سے کھیلتی اور کیچڑ اور مٹی کے نشانات سے افشاں کر دیتی۔ اس کو کمسن بچوں کا بھی کچھ پاس نہ تھا۔ اس خاندان میں کوچن نامی ایک لڑکی تھی۔ جو بڑے کپڑاویں پہن کر صحن میں کھیلنے آیا کرتی تھی۔ وہ اس لڑکی کا مذاق اڑایا کرتی۔ لیکن بعض وقت کوچن کیک کا ٹکڑا ہاتھ میں چھپا لاتی اور اس کو بتاتی۔

"پپ پپ! دیکھ ادیر دیکھ" وہ فوراً کوچن سے جھپٹ لیتی "دیکھو اماں یہ ستارہی ہے"

اس طرح کو جن ہمیشہ اپنی ماں کو مدد کے لئے پکارتی اور اس کی ماں جلدی سے باہر آکر دھمکاتی اور بچی کو بلا لیتی "تم اتنے بڑے کھڑا دن کیوں بہتی ہو" جب غریب کو جن کے پاس کچھ نہ ہوتا اور وہ روتی اور بیپ بیک چپٹ کر جاتی اس مٹھائی کے کھانے کے بعد جس کو آدمی کھایا کرتے ہیں بیپ اپنی لال زبان سے ناک تک چاٹا کرتی۔

باوجود اس کے کہ اس کے افعال میں برائی یا بھلائی کی کوئی نیت نہ ہوتی تھی۔ لیکن وہ گھر کے مردوں اور عورتوں سے گالیاں سنا کرتی۔ علم مجلس اور اخلاق میں انسان نے جو ترقی کی ہے اس سے وہ بالکل نابلد تھی۔ کیوں نہ ہو آخر کتیا تھی۔ اور اس کا توسوال ہی بیکار ہے کہ اس کے افعال مہذب تھے یا نہ تھے۔ وہ جانور ہونے کی حیثیت سے اپنی فطرت کے موافق کام کیا کرتی تھی۔

سرما کا موسم سخت تکلیف دہ تھا گزر گیا۔ لوگوں کا اس کے ساتھ "چل نکل" کا برتاؤ ہوتا رہا۔ تعجب ہے وہ اس عرصہ میں فاقوں سے مر نہیں گئی۔ حالانکہ اس گاؤں کے بھکاری کا بھی یہ بیان تھا کہ اس کو اس زمانہ میں آدھا پیٹ بھی نہ ملتا تھا۔ بیچے والی بھکارن کو بھی "آگے جاؤ" "معاف کرو" کے سوا کچھ نہ ملا۔ ان لوگوں کی حالت تباہ تھی تو ایسی صورت میں اس تکلیف دہ ۔ بیکار ۔ بدصورت کتیا کو کون کھانا ڈالتا۔ دور دور تک وہ گشت لگاتی اور جو کچھ مل جاتا کھا لیتی تھی۔ نارنگی کے چھلکوں کو بھی نہ چھوڑتی۔

بہار آئی اور برف پگھلنی شروع ہوئی اس عرصہ میں کتیا

بڑی ہو گئی۔ اور اب تمام کتے کن سان کے پوچی سے لیکر تمام گھر کے کوڈو سے جو بعینہ فرد جس کا آقا اور ریڈ دسی باغبان کے بڑے کتے تک اس کے پاس جمع رہتے۔ اور جہاں کہیں وہ جاتی۔ دو تین تو ضرور لگے رہتے حتیٰ کہ موکوسی کے سایہ دار درخت کی پر امن جگہ بھی کتوں کی چیخ پکار سے گونج اٹھتی۔ ایک روز ایک گھر کی مالکہ نے جو ہاتھ میں لوٹا لیے ہوئے آئی تھی اس منظر کو دیکھ کر کہا۔ ”کیا خوب! مجھے آج معلوم ہوا کہ یہ پپ مادہ ہے“ اتنے میں نئے مکان والی اتفاقاً باہر آئی اور کہا ”مجھے بھی معلوم نہ تھا“ دونوں مکان والیاں ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت ہنسیں اور محظوظ ہوئیں۔

کن سان کے علاقہ میں بحث ہونے لگی کہ اس کو گھر سے نکال دینا چاہیے۔ چار گھر کے افراد میں دو جماعتیں ہو گئیں ایک عورتوں کی اور دوسرے مردوں کی۔ اس کی حالت بھی اب پہلی سی نہ تھی۔ اگر وہ حاملہ ہو گئی ہوتی تو اس کی حالت اور بھی قابل رحم ہو جاتی۔ گھر کی عورتیں اس کی حالت کو اپنی حالت سے مقابلہ کر کے اس کے ساتھ ہمدردی کرنے لگیں۔ مردوں کا خیال تھا کہ اس کے بچے ہو جانے پر وہ اور بھی تکلیف دہ ہو جائے گی۔ بہر حال ہر شخص بے چینی سے اس کے مستقبل کا انتظار کر رہا تھا۔

خود اس کو اپنے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔

دوسرے دن کن سان کے گھر پہ ایک گاڑی آکر رکی۔ اس گاڑی میں بغیر ڈھکن والے ڈبہ کی طرح کوئی چیز تھی جس پہ ایک غلیظ بوریا پڑا ہوا تھا۔ اس کی تیز قوت شامہ نے معلوم کر لیا کہ اس گاڑی میں کیا ہے۔

ایک مشتبہ آدمی ایک پولیس کے جوان کے ساتھ گھر میں داخل ہوا لیکن وہ ایسے خطرناک مقام پر کہاں ٹھہر سکتی تھی۔ پوچی۔ کورو اور دوسرے کتے فوراً بھونکنے لگے۔ گھر کے مالک مرد اور عورتیں اور گاؤں والے باہر نکل آئے۔

"کتے پکڑنے والے" کہکر کوچن اپنی ماں کے پیچھے چھپ گئی۔

لوگ باغ میں دوڑنے لگے۔ کرن سان کی لڑکی جو روزانہ درختوں کو پانی دیا کرتی تھی۔ ہاتھ میں لوٹا لیئے گلی میں چلی آئی۔ اور ایک وسطی مدرسہ کا لڑکا جو جل رنگ نقش اتار رہا تھا اپنی تختی پھینک کر ان لوگوں کے پیچھے بھاگا آیا۔

وہ ادھر چھپی، ادھر بھاگی۔ غیر معمولی گڑبڑ ہونے لگی۔

کوچن نے خوف کے مارے کانپتے ہوئے کہا "ہپ یقیناً مار ڈالی جائیگی۔"

ایک آدمی جس کے ہاتھ میں ایک بڑا شاہ بلوط کا ڈنڈا تھا۔ سر ہلاتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا "آخر وہ بچکر نکل گئی" پولیس والے نے پھاٹک سے باہر جاتے ہوئے کہا "سب بیکار ہوگیا" دونوں آدمی ناکام ہو کر خالی گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔

بہر حال وہ جان بچا کر نکل بھاگی۔ رفتہ رفتہ اس کا پیٹ بڑھنے لگا۔ اور آنکھوں سے بے چینی کا اظہار ہونے لگا۔ اب اس کو نہ صرف اپنی ذات ہی کی بلکہ اپنے نازائیدہ بچوں کی بھی حفاظت کرنی پڑی اب موکوسی کا سایہ دار درخت بھی اس کے لیئے اس کی جگہ نہ رہا تھا۔

جب وہ کسی گیلی جگہ اپنی تکلیف دور کرنے کے لیئے پڑی ہوتی تو آدمی کی جھپک سے چونک اٹھتی۔ اور کبھی غافل نہ رہتی۔ اس کی

نظروں میں انسان سے بڑھکر ظالم۔ انسان سے بڑھ کر بے رحم اور انسان سے بڑھ کر سفاک کوئی نہ تھا۔

باوجود اس خوف کے وہ آدمیوں کے گھر سے باہر نہ جاسکتی تھی اس کو کسقدر اطمینان ہوتا اگر وہ اور دوسرے جانوروں کی طرح کسی جنگل میں جاکر درختوں کے نیچے ہری گھانس پر اپنے بار سے سبکدوش ہو سکتی۔ دیکھنے والوں کے لیئے ایسا ہو لیکن اس کے لیئے ایسا نہ تھا۔ وہ اپنی جبلی فطرت کو بدل نہیں سکتی تھی۔

جون کے اوائل میں وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہوئی۔ اور کن سان کے گرم مکان میں چار بچے دیئے ان میں کے دو بوچی کی طرح سفید اور بھورے تھے۔ ایک بالکل کالا تھا۔ اور چوتھا خاکی مائل خود اس کے جیسا۔

ماں بننے کی پہلی صبح اس کو انسان کی مہربانی نصیب ہوئی اور اسی صبح اس کو پہلی مرتبہ پیٹ بھر کر غذا ملی اس دن سے کن سان کی خاتون دریچہ سے کاغذ کا پردہ ہٹا "آپپ! چلی آپپ" کہہ کر اپنے باورچی خانہ میں بلانے لگی۔

مرغوب ڈیزائن شمس الاسلام پریس چھتہ بازار